

# ایمان کی تکمیل

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: (( مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ  
وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ ))

[رواه ابوداؤد]

”سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے (کسی سے) محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ  
ہی کے لیے (کسی سے) بغض رکھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے دے  
اور اللہ کے لیے منع کرے تو اس نے ایمان کو پورا کیا۔“

## صلہ رحمی کی فضیلت

①.....صلہ رحمی ایمان کا تقاضا ہے: عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: (( من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیصل رحمہ )) ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔“ [صحیح بخاری: ۶۱۳۸]

②.....صلہ رحمی سے عمر اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے: عن انس بن مالک أن رسول اللہ ﷺ قال: (( من أحب أن یبسطل له فی رزقہ وینسأله فی أثرہ فلیصل رحمہ - )) [صحیح بخاری: ۵۹۸۶] ”انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے یہ بات پسند ہے کہ اس کا رزق فراخ اور عمر دراز ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔“ عمر میں اضافہ سے مراد یا تو عمر میں برکت ہے یا اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں حقیقی طور پر اضافہ فرما دیتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رزق کی دو قسمیں ہیں: (۱) جس کا علم اللہ کو ہے کہ اس نے بندے کو یہ رزق دینا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (۲) جو اللہ تعالیٰ نے لکھا اور فرشتوں کو بتایا۔ تو یہ اسباب کے ساتھ کم یا زیادہ ہوتا ہے۔“

③.....صلہ رحمی سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے: عن النبی ﷺ قال: (( إن اللہ خلق الخلق حتی إذا فرغ من خلقہ قالت الرحم هذا مقام العاذبک من القطیعة قال: نعم أما ترضین أن أصل من وصل وأقطع من قطعک قالت: بلی یا رب قال فهو لك )) [صحیح بخاری: ۵۹۸۷] ”اللہ تعالیٰ جب مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہوئے تو رحم نے کہا: یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے گا، اسے میں جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا، اسے میں توڑوں گا۔ کیا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اب ایسے ہی ہوگا۔“

④.....صلہ رحمی جنت میں داخلے کا بڑا سبب ہے: عن ابی ایوب الانصاری أن رجلاً قال یا رسول اللہ ﷺ! أخبرنی بعمل یدخلنی الجنة؟ فقال رسول اللہ ﷺ: (( تعبد اللہ لا تشرك به شیئاً وتقیم الصلاة وتؤتی الزکاة وتصل الرحم )) [صحیح بخاری: ۵۹۸۳] ”ابو ایوب انصاری روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو۔“

⑤.....صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والوں کی تعریف کرتے اور اسے اپنے حکم کی بجا آوری گردانتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ [الرعد: ۲۱] ”اور وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ملانے کا اللہ نے حکم دیا، انہیں ملاتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے ڈرتے ہیں۔“

⑥.....رشتہ داروں کے مابین محبت پھیلنے کا ذریعہ ہے۔ صلہ رحمی کے ذریعے رشتہ داروں میں محبت بڑھتی ہے۔ اس کے ذریعے ان کی زندگی خوش گوار گزرتی اور وہ زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں۔

⑦.....عظمت اور احترام حاصل ہونے کا ذریعہ ہے: جب انسان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے، ان کی عزت و احترام کا خیال رکھتا ہے تو جواب کے طور پر وہ بھی عزت کرتے ہیں اور معاملات زندگی میں اس کے معاون بن جاتے ہیں۔ [بہ شکر یہ ماہنامہ محدث، لاہور]

1	ایمان کی تکمیل	جواہر پارے
2	صلہ رحمی کی فضیلت	کلمہ طیبہ
5	شہد شاہد من اہلہا (حافظ احمد شاکر)	اداریہ
7	سانحہ کربلا اور حضرت حسین ویزید (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ)	روزن تاریخ
13	کربلا کی کہانی (مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ)	روزن تاریخ
19	دوہرے اجر کے مستحق لوگ (۵) (غلام مصطفیٰ فاروق)	تذکیر
25	مولانا محمد اسحاق بھٹی (ترجمہ: ابو بکر ظفر)	تذکرہ علمائے اہل حدیث
28	قبروں پر مزارات جائز نہیں (سید حسنین شاہ بخاری)	تحقیق و تنقید
30	قربانی کے چار دن (حافظ زبیر علی زئی)	استدراک
32	پھول اور موم بتیاں (اوریا مقبول جان)	انکار معاصرین
34	تبصرہ کتب	تبصرہ کتب
35	دہشت گرد کون؟ (محمد اسحاق عابر)	شعر و ادب

## عدل و انصاف کا حکم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ عَنِيَّ  
أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا﴾ [النساء: ۱۳۵]

”اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ اپنی جانوں، والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر وہ غنی یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کے قریب ہے۔“

## ظالم حکمران

عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَاضِي مَا كَمْ يَجُرُّ فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ» [ترمذی: ۱۳۳۰ - ابن ماجہ: ۲۳۱۲]

”جب تک فیصلہ کرنے والا ظلم نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب ظلم کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے ”فاذا جار و كلمه الى نفسه“ کہ جب ظلم کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنے آپ پر چھوڑ دیتا ہے۔“

## دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا

عن انس رضي الله عنه ان نبی الله صلى الله عليه وسلم: «كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي  
الْإِسْتِسْقَاءِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ رِطْبِيٍّ» [مسلم: ۸۹۶/۷]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی کسی دعا میں اتنے زیادہ ہاتھ نہ اٹھاتے جتنے استسقاء میں اٹھاتے۔ آپ استسقاء میں اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ دعا اس طرح ہے کہ اپنے ہاتھوں کو کاندھوں کے برابر یا اس کے قریب قریب اٹھاتے اور استغفار (کا ادب) یہ ہے کہ تم نفس امارہ اور شیطان کو برائی سے یاد کرتے وقت اپنی ایک انگلی سبابہ سے اشارہ کرو اور ابھتال (گرگڑا کر دعا کرنا) یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو اکٹھے ہی لمبے کرو اور ہاتھ اٹھانے میں یہ مبالغہ صرف استسقاء میں ہے۔

## شهد شاہد من اہلہا

حافظ احمد شاہ کر

اداریہ

ہدایت اس وقت آتی ہے جب انسان خلوص دل کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ہدایت طلب کرے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اس وقت جوش میں آتی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور گناہوں کا اعتراف کر کے اس سے الحاح و زاری سے رحمت و مغفرت کی التجا کرے۔ یاد رہے کہ کسی قوم سے عذاب اسی وقت ملتا ہے جب قوم اپنی غلطیوں، کوتاہیوں کا اقرار کر کے رب رحیم و کریم سے اجتماعی معافی کی خواست گار ہو۔

ماہ رواں میں دہشت گردی کی جو طوفانی لہر اٹھی ہوئی ہے اس کی تازہ واردات علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کی مون مارکیٹ کا خونی حادثہ اور ملتان میں ایک اہم آفس کے گیٹ پر دھماکہ ہے جس میں بیسیوں بے گناہ افراد، خواتین اور بچے حادثے کی نذر ہو کر موت کی آغوش میں چلے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حادثہ فاجعہ پر بھی حکم رانوں اور سیاست دانوں کے وہی رٹے رٹائے بیانات، دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے عزائم، دہشت گردوں کو ختم کر دینے کے نعرے اخبارات میں آتے رہے۔ حسب معمول اس کی ذمہ داری کبھی طالبان اور کبھی القاعدہ پر ڈالتے رہے۔ لیکن کسی حکومتی اہل کار، سیاست کار اور لیڈر نے نہ ملٹی غلطیوں کا اعتراف کیا، نہ ذمہ داریوں میں کوتاہیوں کو تسلیم کیا اور نہ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دربار میں جھکنے، اس سے معافی مانگنے اور اجتماعی توبہ کی طرف توجہ کی نہ قوم کو متوجہ کیا نہ ہی انہوں نے اپنا اخلاقی و طیرہ بدلانہ ہی حکومت کرنے کا ڈھنگ بدلا اور نہ ہی امریکی اور غیر ملکی امداد مانگنے کی عادت تبدیل کی۔

۹ دسمبر ۲۰۰۹ء جس دن ملتان میں آئی ایس آئی کے دفتر کے باہر دھماکہ ہوا اس دن کے روزنامہ ایکسپریس میں امریکی وزیر دفاع کا بیان ہے کہ ”پاکستان پر جس قدر حملے زیادہ ہوں گے یہ اسی قدر ہی امداد طلب کرے گا“ یہ طمانچہ ہے ہمارے دعوائے خودداری پر اور حقیقت ہے ہماری خود مختاری کی کہ ہم کس قدر ”آزاد“ ہیں۔ ظاہر بات ہے جو فرد، حکومت یا ادارہ مدد دے گا وہ اپنی منوائے گا بھی۔ یہی ایک گتھی الجھی ہوئی تھی کہ دھماکے کو نہ کروا رہا ہے امریکی وزیر دفاع کے اس بیان نے وہ بھی سلجھا دی ہے اور یہی ہے و شہد شاہد من اہلہا۔

ساتھ ہی یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ لوگر بل اور اب امریکا کی افغان پالیسی کے اعلان اور پاکستانیوں کے استرداد کے بعد دہشت گردی کون مسلسل کروا رہا ہے کہ اسلام آباد میں کچھ لوگ..... جو نظروں میں تو یقیناً پہلے ہی ہوں گے..... پہلے پکڑے گئے پھر چھڑا لیے گئے۔ سرگودھا سے بھی کچھ امریکی مسلمان پکڑے گئے جو ابھی تک زیر حراست اور تفتیش کے مرحلے میں ہیں ”شاید اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔“ پھر لاہور میں کچھ لوگ اپنی حدود سے آگے جا کر کارکردگیاں سرانجام دیتے ہوئے قابو آ گئے۔ پتا نہیں فورسز نے ان کی صفائی کی یا نہیں پکڑے جانے والے امریکیوں کے بے ضرر ہونے کے بارے میں امریکی سفارت خانے کو وضاحت دینی پڑی۔

شهد شاہد من اہلہا کے بعد ہمارے حکم رانوں کو خوف سے بھرپور شک کے ساتھ اعتراف کرنا پڑا کہ ہاں کچھ غیر ملکی اپنی سفارتی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ اس کا تو پتا نہیں ہاں امریکی سفارت خانے کی اس وضاحت کے بعد کہ یہ بے ضرر ہیں ان کو چھوڑ دیا گیا ساتھ ہی ہمارے وزیر داخلہ نے یہ خوف بھرا اظہار بھی کر دیا کہ غیر ملکی سفارتی عملہ سے جو سلوک ہم کریں گے وہی سلوک

ہمارے سفارتی عملہ کے ساتھ بھی ہوگا۔ وطن عزیز کی موجودہ صورت حال سے پریشان لائن میں لگے ارباب سیاست بھی اب سم سم کھل رہے ہیں کہ دھماکوں کے موجودہ تسلسل میں امریکا، اسرائیل اور بھارت ملوث ہے۔ اب تک دہشت گردی کی ہر واردات کے متصل بعد کبھی طالبان اور کبھی القاعدہ کی طرف سے انٹرنیٹ کے ذریعے اس واردات کی ذمہ داری قبول کرنے کا ڈھونگ بھی رچایا جاتا رہا، لیکن اب بعض طالبان کمانڈروں نے بھی پاکستان مخالف کارروائیوں اور وارداتوں سے بریت کا اظہار کر دیا ہے۔ ۱۲ دسمبر کے اخبارات کے مطابق القاعدہ نے پاکستان میں ہونے والے بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے بارے میں کہا ہے کہ ہم بچوں، خواتین اور عوام الناس کی ہلاکت کو ناجائز جانتے ہیں، اس لیے پاکستان میں جاری دہشت گردی کی موجودہ لہر کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں پاکستانی اور امریکی ایجنسیاں اس سے ضرور باخبر ہوں گی اس لیے اس کی ذمہ داری بھی ہوں گی۔ ادھر بلیک وائر نے سی آئی اے کے لیے خدمات سرانجام دینے کا اعتراف بھی کر لیا ہے اور اب امریکی حکومت نے بھی پاکستان میں بلیک وائر کی موجودگی مان لی اور اس کی کارروائیوں کو ڈھکے چھپے الفاظ میں تسلیم بھی کر لیا ہے۔ جب کہ ہمارے مقتدر جو حضرات ایک ایسی طاقت کے حکومتی عہدیدار ہیں ان اعتراضات کے باوجود کھل کر امریکا کا نام لینا تو کجا اس کی طرف اشارہ بھی کرنے سے محتاط ہیں۔

جمہوری حکومت کے وزیروں کی عجب دلچسپ صورت حال ہے کہ ہمارے وزیر داخلہ اور بعض دوسرے حکومتی عناصر بنگ دہل یہ کہہ رہے ہیں کہ دہشت گردی کی اس لہر میں بھارت ملوث ہے اور مناسب وقت اور مناسب جگہ پر ہم اس کے ثبوت پیش کریں گے۔ لیکن ہمارے وزیر خارجہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ثبوت جب تک مکمل نہ ہوں گے میں بھارت کا نام نہ لوں گا۔

بننے کی عیاری دیکھئے کہ اس نے داڑھی میں تنکے کی طرح واڈا کرنا بھی شروع کر دیا کہ پاکستان کی دہشت گردی میں ہمارا خواہ مخواہ نام لیا جا رہا ہے بھارت بالکل ملوث نہیں جب کہ ہمارے بزرگ جہاں بھی تک بھارت کے ملوث ہونے پر بھی متفق نہیں ہو پا رہے۔ نہ جانے ہمارے حکم رانوں کو ”شرم“ اور ”حیا“ کس بات کی ہے کہ یہ بھارت کا نام لیتے ہوئے لجاتے اور شرماتے رہتے ہیں جب کہ بھارت میں مینڈ کی کوز کام بھی ہو جائے تو وہ اودھم مچا دیتا ہے کہ پاکستان نے چھینک ماری ہے جس سے ہماری مینڈ کی کوز کام ہو گیا ہے۔ سابق صدر مشرف بھی اپنے عرصہ اقتدار میں بھارت سے دوستی اور تعلقات کے لیے مہمنا تار رہا۔ حتیٰ کہ سیاست دانوں کے بقول کشمیر کا زکوبھی لپیٹے رکھا لیکن بھارتی حکمران تھے کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور نہ وہ اپنے کسی موقف میں کوئی تبدیلی لائے۔ اس طرح فساد فی الارض کے بارے میں ہمارے حکم ران بھارت امریکا کی طرف تو اشارہ کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی جبین شکن آلود نہ ہو جائے۔ علامہ اقبال کے بقول یہ لرزہ انسان پر اسی وقت ہی طاری ہوتا ہے جب انسان کا نعتن اپنا رہے اور نہ من۔

جو تو میں اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں اور وعیدوں کی ..... ہماری طرح ..... پروا نہیں کرتیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام کی آیت ۳۶، ۳۷ میں فرمایا ”پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو دی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئیں تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے، غرض کہ ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریف رب العالمین ہی کو سزاوار ہے۔“

ہمارے علماء کو خاص طور پر چاہیے کہ وہ حکم رانوں، لیڈروں اور خصوصاً عوام الناس کو توبہ کی ضرورت، اہمیت اور برکت بتا کر ان کے احساس بندگی کو بیدار کریں اور انہیں بتائیں کہ سورہ اعراف کی آیت نمبر ۹۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔“ اور ڈریں اس وقت سے جو اس آیت کے آخری حصہ میں ہے کہ ”مگر انہوں نے تکذیب کی سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔“ ابھی وقت ہے کہ اپنے اوپر آئے ہوئے عذاب کو ٹالنے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تاکہ ہم اس کی پکڑ سے بچ جائیں۔

## سانحہ کربلا اور حضرت حسین و یزید

از: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

سانحہ شہادت حسین اور واقعات کربلا کے موضوع پر شیخ الاسلام نے ”منہاج السنہ“ میں بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی مرحوم نے اردو میں کر کے شائع کی تھی۔ مولانا موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر قدرے ترمیم و اصلاح کے ساتھ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا“ میں شامل کر دی ہے۔ اسے وہیں سے لیا گیا ہے۔ [ادارہ الاعتصام]

تمہید:

علمائے اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہ کو ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی طرح خلفائے راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ

”خِلَافَةُ النَّبِيِّ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ“ [سنن أبی داود، السنۃ، باب فی الخلفاء،

ح: ۴۶۴۷]

”خلافت تیس برس تک منہاج نبوت پر رہے گی پھر سلطنت ہو جائے گی۔“

علمائے اہل سنت اس حدیث کے مطابق یزید اور اس جیسے آدمی اور عباسی خلفاء کو محض فرمانروا بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل درست ہے۔ یہ ایک محسوس واقعہ ہے جس سے انکار غیر ممکن ہے کیوں کہ یزید اپنے زمانے میں عملاً ایک بادشاہ، ایک حکمران، ایک صاحب سیف اور خود مختار فرمانروا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور شام، مصر، عراق، خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا حکم نافذ ہوا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہوں، یوم عاشوراء ۶۱ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید سے اختلاف کیا اور

باشندگان مکہ و حجاز نے ان کا ساتھ دیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے خلافت کا دعویٰ یزید کی زندگی میں نہیں کیا بلکہ اس کے مرنے کے بعد کیا۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شروع شروع میں اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کے جیتے جی ہی اس کی بیعت پر رضامند ہو گئے تھے مگر چون کہ اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ قید ہو کر ان کے حضور میں حاضر ہوں اس لیے بیعت رہ گئی اور باہم جنگ برپا ہو گئی۔

پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا حکمران نہیں ہوا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ماتحت علاقہ اس کی اطاعت سے برابر برگشتہ رہا۔ تاہم اس سے اس کی بادشاہت اور خلافت میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ خلفائے ثلاثہ اربعہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، عبدالملک بن مروان اور اس کی اولاد کے سوا کوئی بھی اموی یا عباسی خلیفہ پورے بلاد اسلامیہ کا تنہا فرمانروا نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی تمام دنیائے اسلام کی حکومت نہ تھی۔

بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق؟

پس اگر اہل سنت ان بادشاہوں میں سے کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں تو اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں خود مختار تھا، طاقتور تھا، صاحب سیف تھا۔ عزل و نصب کرتا تھا، اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا کفار پر جہاد کرتا تھا۔ یزید کو بھی امام و خلیفہ کہنے سے یہی مطلب ہے اور یہ ایک ایسی

تعلق ہے، یقیناً اسی آخر الذکر یعنی فاجر کو سربراہ بنانا پڑے گا۔ نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت و امداد کی جائے گی۔ بدی اور برائی میں اس پر اعتراض و انکار کیا جائے گا۔

### حفظ مصالح اور دفع مفاسد:

غرض امت کی مصلحتوں کا لحاظ مقدم ہے اگر کسی فعل میں بھلائی اور برائی دونوں موجود ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ کس کا پلہ بھاری ہے اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا۔ اگر برائی غالب دکھائی دے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور مفاسد مٹائیں یا کم کریں۔ یزید، عبدالملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لیے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کے لیے نقصان، نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو سراسر نقصان ہی پہنچا، نفع ذرا بھی نہیں ہوا۔ بلاشبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اختیار و فضلاء بھی شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور دنیوی نفع ہی حاصل کیا۔ اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم نہیں دیتا جس میں نہ دنیا کا بھلا ہونہ دین کا۔ جن لوگوں نے خروج کیا ان سے کہیں زیادہ افضل حضرت علی، طلحہ، زبیر، عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہم صحابہ تھے مگر خود انہوں نے خواریزی پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

### عہد فتن میں خروج کی ممانعت:

یہی وجہ ہے کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے اور کہتے تھے ”حجاج اللہ کا عذاب ہے اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اللہ کے سامنے تضرع و زاری کرو کیوں کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَغْنَوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا

يَتَضَرَّعُونَ﴾ [المؤمنون: ۷۶/۷۷]

”ہم نے ان کی عذاب کے ذریعے گرفت کی۔ انہوں نے پھر

واقعی بات ہے کہ اس کا انکار غیر ممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعے سے انکار کر دے کہ ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم حکمران نہیں تھے یا یہ کہ قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔

### یہ ”خلفاء“ معصوم نہ تھے:

رہا یہ مسئلہ کہ یزید، عبدالملک، منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد؟ صالح تھے یا فاجر؟ تو علمائے اہل سنت نہ انہیں معصوم سمجھتے ہیں نہ ان کے تمام احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت واجب تصور کرتے ہیں۔ البتہ اہل سنت والجماعت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادت و طاعت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ کفار پر جہاد کیا جاتا ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے۔ نیز اسی نوع کے دوسرے معاملات ہیں، اگر حکام نہ ہوں تو ان اعمال کا ضائع ہو جانا اغلب ہے بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

### نصب امام کے چند اصول:

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیوں کہ اعمال صالحہ انجام دینے میں اگر نیکوں کے ساتھ برے بھی شامل ہوں تو اس سے نیکوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلاشبہ یہ بالکل درست ہے کہ اگر عادل صالح امام کا نصب ممکن ہو تو فاجر و مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر اور مبتدع ہوں تو ظاہر ہے کہ حدود شرعیہ و عبادات دینیہ کے قیام کے لیے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے کو منتخب کیا جائے گا۔ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو صالح ہو مگر سپہ سالاری کے فرائض و واجبات ادا کرنے کا اہل نہ ہو۔ اس کے خلاف ایک فاجر شخص ہو جو بہترین طریق پر فوج کی قیادت کر سکتا ہو تو جس حد تک جنگ مقاصد کا



بھی اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی کا اظہار کیا اور نہ اس کے حضور گڑ گڑائے۔“

اسی طرح اور اخبار و ابرار بھی خلفاء پر خروج اور عہد فتنہ میں جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب، حضرت زین العابدین، علی بن حسین وغیرہم اکابر صحابہ و تابعین جنگ حرہ کے زمانے میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے روکتے تھے۔ احادیث صحیحہ بھی اسی مسلک کی مؤید ہیں اسی لیے اہل سنت کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ عہد فتنہ میں قتال و جدال سے اجتناب اور جو رائے پر صبر کیا جائے، وہ یہ مسئلہ اپنے عقائد میں بھی ذکر کرتے رہے ہیں اور جو شخص متعلقہ احادیث اور اہل سنت کے صاحب بصیرت علماء کے طرز عمل و فکر میں تامل کرے گا اس پر اس مسلک کی صحت و صداقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

### حضرت حسین کا عزم عراق:

اسی لیے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم و تقویٰ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہم نے ان سے بہ منت کہا کہ وہاں نہ جائیں کیوں کہ وہ سمجھتے تھے آپ ضرور شہید ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ روانگی کے وقت بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ مِنْ قَتْلِ اے شہید! ہم تجھے اللہ کو سونپتے ہیں۔“ اور بعضوں نے کہا:

”لَوْلَا الشَّعَاعَةُ لَأَمْسَكْتُكَ وَمَنْعْتُكَ مِنَ الْخُرُوجِ“  
”اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز جانے نہ دیتے۔“

اس مشورے سے ان لوگوں کے مد نظر صرف آپ کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عراق جانے سے روکنے والوں ہی کی رائے درست تھی کیوں کہ آپ کے جانے سے ہرگز

کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہ ہوئی بلکہ یہ مضرت پیدا ہوئی کہ سرکشوں اور ظالموں کو رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشے پر قابو لگیا اور وہ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے جانے اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے اگر آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کیوں کہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کے لیے آپ اٹھے تھے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ برعکس اس کے شر کو غلبہ اور عروج حاصل ہو گیا۔ خیر و صلاح میں کمی آگئی اور ایک بہت بڑے دائمی فتنے کا دروازہ کھل گیا جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنے پھیلے اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے بھی فتنوں کے سیلاب بہا دیئے۔

### حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقام بلند:

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ائمہ و خلفاء کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ و بغاوت نہ کرنے کا حکم مناسب اور امت کے دین و دنیا کے لیے زیادہ بہتر تھا اور جنہوں نے بالقصد یا بلا قصد اس کی مخالفت کی۔ ان کے فعل سے امت کو فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا تھا:

”إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ [صحیح البخاری،

الصلح، ح: ۲۷۰۴]

”میرا یہ فرزند سردار ہے عنقریب خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔“

لیکن اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہیں کی کہ وہ فتنہ میں پڑے گا یا خلفاء پر خروج کرے گا یا اطاعت سے برگشتہ یا جماعت سے منحرف ہوگا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہوں میں صلح کرانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں مستحسن و محبوب ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی خوزیزی کا خاتمہ کر دینا ان کے فضائل میں ایک عظیم ترین فضیلت ہے کیوں کہ اگر

جلیل القدر صحابی شریک تھے۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ کا غزوہ کیا اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ۔“ [صحیح البخاری، الجہاد والسير، باب ما قیل فی قتال الروم، ح: ۲۹۲۴]

”جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ کا غزوہ کرے گی وہ مغفور یعنی بخشش بخشائی ہے۔“

#### یزید کے بارے میں افراط و تفریط:

اس تفصیل کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک گروہ تو اسے خلفائے راشدین اور انبیائے مقررین میں سے سمجھتا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر و منافق بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے قصداً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور مدینہ میں قتل عام کرایا تا کہ اپنے ان رشتہ داروں کے خون کا انتقام لے جو بدر و خندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اور یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے تھے:

لَمَّا بَدَتْ لَكَ الْحُمُولُ وَأَشْرَفَتْ  
تِلْكَ الرُّؤُوسُ عَلَى أَبِي جَبْرُونَ  
”جب وہ سواریاں اور سرابو جیرون کی بلند یوں پر نمودار ہوئے۔“  
نَعَقَ الْغُرَابُ فَقُلْتُ نَحْ أَوْ لَا تَنْحُ  
فَلَقَدْ قَضَيْتُ مِنَ النَّبِيِّ دِيُونِي  
”تو کو اچلا۔ اس پر میں نے کہا تو نو حہ کر یا نہ کر میں نے تو نبی سے اپنا فرض پورا پورا وصول کر لیا۔“  
یا یہ کہ اس نے کہا:

لَيْتَ أَشْيَا حَيُّ بَدْرٍ شَهْدُوا  
جَزْعَ الْخَزَرَجِ مِنْ وَقْعِ الْأَسَلِ  
”کاش میرے بدر والے بزرگ، نیزوں کی مار سے خزر ج

خانہ جنگی واجب و مستحب ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ فرماتے۔

یہاں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ نبی ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ گود میں لے کر فرمایا کرتے تھے۔ ”اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی محبت کر۔“ چنانچہ جس طرح آپ اپنی محبت میں دونوں کو یکساں شریک کرتے تھے اسی طرح بعد میں یہ دونوں ان خانہ جنگیوں سے یکساں طور پر نفرت کرتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تو جنگ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے پدر و برادر (حضرت علی اور حسین رضی اللہ عنہما) کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ پھر جب خود باختیار ہوئے تو جنگ سے دستبردار ہو گئے اور لڑنے والوں میں صلح قائم کر دی۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آخر میں یہ حقیقت روشن ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے ختم ہو جانے میں مصلحت ہے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی کر بلا پہنچ کر جنگ سے بیزار اور سرے سے دعویٰ امارت و خلافت ہی سے دستبردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے ”مجھے وطن لوٹ جانے دو۔“

#### اطاعت فی المعروف:

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا معاملہ کوئی خاص جدا گانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے یعنی جس کسی نے طاعت الہی مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی اسے اپنی اس نیکی اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس زمانے کے صالح مومنین مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی، اور ان کے ظلم میں مددگار ہوا، وہ گناہ گار ہوا اور زجر و توبیخ اور مذمت اور سزا کا سزاوار۔ یہی باعث ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے۔ چنانچہ جب یزید نے اپنے باپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تو اس کی فوج میں حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے

اسرائیل قتل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کے لیے زیادہ بڑی مصیبت تھا۔

**صبر، نہ کہ جزع فزع:**

یہ حوادث کتنے ہی دردناک ہوں بہر حال ان پر صبر کرنا، اور ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کہنا چاہیے کیوں کہ اس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ [البقرة: ۱۵۵، ۱۵۶]

”ان صبرگزاروں کو خوشخبری دے دیجیے جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو ان کی زبان پر ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ جاری ہو جاتا ہے۔“

**ما تم اور بین کرنے والے ہم میں سے نہیں:**

حدیث صحیح میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ -“ [صحیح البخاری، الجنائز، باب ليس منا .....، ح: ۱۲۹۴]

”جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کیے وہ ہم میں سے نہیں۔“

نیز نبی ﷺ نے صالحہ، حلقہ اور شاقہ سے اپنے تئیں بری بتایا ہے:

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَرِيءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَةِ -“ [صحیح البخاری، الجنائز، باب ما ينهى من الحلق عند المصيبة، ح: ۱۲۹۶]

”صالحہ بین کرنے والی عورتیں، حلقہ غم سے بال منڈا ڈالنے والی اور شاقہ گریبان پھاڑنے والی عورتیں۔“

نیز فرمایا:

”النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ

وأنصار کی دہشت دیکھتے۔“

قَدْ قَتَلْنَا الْفُرُوزَ مِنْ سَادَاتِهِمْ  
وَعَدَلْنَا بِدَرْ فَاعْتَدَلْ

”ہم نے ان کے سرداروں میں چوٹی کے سردار قتل کر ڈالے اور

اس طرح بدر کا بدلہ اتا دیا۔“

یہ تمام اقوال سراسر بہتان اور جھوٹ ہیں۔

**حقیقت حال:**

حقیقت یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔ رہے حسینؑ تو بلاشبہ وہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم و قہر کے ہاتھوں جام شہادت پی چکے تھے۔ لا ریب حسینؑ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت اور نافرمانی ہے۔ اس سے وہ تمام لوگ آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا یا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

**شہادت کا رتبہ بلند:**

شہادت حسینؑ اگرچہ امت کے لیے بہت بڑی مصیبت ہے لیکن خود حضرت حسینؑ کے حق میں ہرگز مصیبت نہیں، بلکہ شہادت، عزت اور علو منزلت ہے۔ یہ سعادت بغیر مصائب و محن میں پڑے حاصل نہیں ہو سکتی چوں کہ نبی ﷺ کے دونوں نواسے (حضرت حسینؑ اور حضرت حسنؑ) گہوارۂ اسلام میں پیدا ہوئے، امن و امان کی گود میں پلے اور ہولناک مصائب سے دور رہے جن کے طوفانوں میں ان کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے تھے۔ اس لیے شہداء خوش بخت کے اعلیٰ درجات منازل تک پہنچنے کے لیے انہیں کٹھن مرحلے سے گزرنا ضرور تھا۔ چنانچہ دونوں گزر گئے۔ ایک کوزہ ہر دیا گیا اور دوسرے کے گلے پر چھری پھیری گئی۔

**بڑی بڑی اہم شہادتیں:**

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؑ کا قتل کسی حال میں بھی ان انبیاء (ﷺ) کے قتل سے زیادہ گناہ اور مصیبت نہیں جنہیں بنی

”مَنْ قَطْرَانٍ، وَدَرُوعٌ مِنْ جَرْبٍ“ - [صحیح مسلم، الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ، ح: ۹۳۴]  
”نوحہ کرنے والی عورتیں اگر توبہ کے بغیر مر جائیں گی تو انہیں قیامت کے دن خارش قیص اور گندھک کا جامہ پہنا کر کھڑا کیا جائے گا۔“

اس قسم کی ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی تو آپ نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ سزا کے دوران میں اس کا سر کھل گیا تو لوگوں نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین اس کا سر برہنہ ہو گیا ہے۔ فرمایا کچھ پروانہیں۔

”لَا حُرْمَةَ لَهَا إِنَّهَا تَنْهَى عَنِ الصَّبْرِ وَقَدْ أَمَرَ اللَّهُ بِهِ وَتَأْمُرُ بِالْجَزَعِ وَقَدْ نَهَى اللَّهُ عَنْهُ وَتَفْتِنُ الْحَيَّ وَتُوْذِي الْمَيِّتَ وَتَبْعُ عُبْرَتَهَا وَتَبْكِي بِشَجْوٍ غَيْرِهَا إِنَّهَا لَا تَبْكِي عَلَى مَيِّتِكُمْ إِنَّمَا تَبْكِي عَلَى أَخَذِ ذَرَاهِمِكُمْ۔“

”اس کی کوئی حرمت نہیں کیوں کہ یہ لوگوں کو مصیبت میں صبر کرنے سے منع کرتی ہے حالانکہ اللہ نے صبر کا حکم دیا ہے، اور یہ رونے کی ترغیب دیتی ہے حالانکہ اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔ زندہ کو فتنے میں ڈالتی ہے۔ مردہ کو تکلیف دیتی ہے۔ اپنے آنسو فروخت کرتی ہے۔ اور دوسروں کے لیے بناوٹ سے روتی ہے۔ یہ تمہاری میت پر نہیں روتی بلکہ تمہارا پیسہ لینے کے لیے آنسو بہاتی ہے۔“

#### شہادت حسین کے بارے میں افراط و تفریط:

جس طرح لوگوں نے یزید کے بارے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے اسی طرح بعضوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے اعتدالی برتی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے۔ (معاذ اللہ!) ”ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیوں کہ انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے۔ کیوں کہ نبی ﷺ فرما چکے ہیں:

”مَنْ أْتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ، عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيدُ أَنْ يُشَقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرَّقَ جَمَاعَتُكُمْ فَاقْتُلُوهُ“ - [صحیح مسلم، الإمارة، باب حکم من فرق أمر المسلمین وهو مجتمع، ح: ۱۸۵۲]  
”اتفاق کی صورت میں جو تم میں پھوٹ ڈالنے آئے اسے قتل کر ڈالو۔“

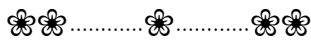
حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لیے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے۔“  
بلکہ بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ”اسلام میں اولین باغی حسین ہے۔“

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے:  
”حضرت حسین امام برحق تھے ان کی اطاعت واجب تھی ان کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ جماعت اور جمعہ اسی کے پیچھے درست ہے جسے انہوں نے مقرر کیا اور جہاد نہیں ہو سکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔“

#### مقابلے کا ارادہ ترک کر دیا:

ان دونوں نہایت غلطیوں کے درمیان اہل سنت ہیں وہ نہ پہلے گروہ کے ہمنوا ہیں اور نہ دوسرے گروہ کے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے ان کے ہاتھ امت کی سیاسی باگ ڈور نہیں آئی۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا احادیث ان پر چسپاں نہیں ہوتیں کیوں کہ جب انہیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادے سے دستبردار ہو گئے تھے اور فرماتے تھے۔

مجھے وطن جانے دو یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو۔ مگر مخالفین نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور اسیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انہوں نے نا منظور کر دیا۔ کیوں کہ اسے منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔



# کربلا کی کہانی..... حضرت ابو جعفر باقرؑ کی زبانی

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

## روایت حضرت ابو جعفر باقرؑ

آغاز:

روایت کے راوی عمار بنی نے کہا کہ میں نے محمد بن علی بن الحسین سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے واقعہ قتل حسینؑ ایسے انداز سے بیان فرمائیں کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا اور یہ سامنے ہو رہا ہے۔ اس پر حضرت محمد باقرؑ نے فرمایا:

امیر معاویہؓ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (حضرت معاویہؓ کا بھتیجا اور یزید کا چچیرا بھائی) مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ ولید نے حسب دستور حضرت حسینؑ کو پیغام بھیجا تا کہ ان سے نئے امیر یزید کے لیے بیعت لیں۔ حضرت حسینؑ نے جواب میں فرمایا کہ سر دست آپ سوچنے کی مہلت دیں اور اس بارے میں نرمی اختیار کریں۔ ولید نے ان کو مہلت دے دی۔ حضرت حسینؑ مہلت پا کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

دریں اثنا جب کوفہ والوں کو اس کا پتا چلا کہ حضرت تو مکہ شریف پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے اپنے قاصد حضرت حسینؑ کی خدمت میں روانہ کیے اور ان سے درخواست کی کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں ہم اب آپ ہی کے ہو گئے ہیں۔ ہم لوگ یزید کی بیعت سے منحرف ہیں۔ ہم نے گورنر کوفہ کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت نعمان بن بشیر انصاری یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ جب اہل کوفہ کی طرف سے اس قسم کی درخواستیں آئیں تو حضرت حسینؑ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کا پروگرام بنایا تا کہ وہ کوفہ جائیں اور وہاں جا کر صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لیں اگر اہل کوفہ کے بیانات صحیح ہوں تو خود بھی کوفہ پہنچ جائیں گے۔

## حضرت مسلم کی کوفہ کو روانگی:

قرارداد کے مطابق حضرت مسلمؑ مکہ شریف سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے وہاں سے راستہ کی راہ نمائی کے لیے دو آدمی ساتھ لیے اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے، جس راستے سے وہ لے گئے اس میں ایک ایسا لائق و دق میدان آ گیا جس میں پانی نہ ملنے کے سبب پیاس سے دوچار ہو گئے۔ چنانچہ اسی جگہ ایک راہنما انتقال کر گیا۔ اس صورت حال کے پیش آنے پر حضرت مسلمؑ نے حضرت حسینؑ کو ایک خط لکھ کر کوفہ جانے سے معذرت چاہی لیکن حضرت ممدوح نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ آپ ضرور کوفہ جائیں۔ بنا بریں حضرت مسلمؑ کوفہ کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر ایک شخص عوسجہ نامی کے گھر قیام فرمایا۔ جب اہل کوفہ میں حضرت مسلمؑ کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو وہ خفیہ طور پر ان کے ہاں پہنچے اور ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؑ کے لیے بیعت کرنے لگے۔ چنانچہ بارہ ہزار اشخاص نے بیعت کر لیں۔

دریں اثناء یزید کے ایک کارندے عبداللہ بن مسلم بن شعبہ حضری کو اس کا پتا چلا تو اس نے ساری کارروائی کی اطلاع جناب نعمان بن بشیرؑ کو گورنر کوفہ کو دے دی اور ساتھ ہی کہا یا تو آپ واقعہ کمزور ہیں یا کوفہ والوں نے آپ کو کمزور سمجھ رکھا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ شہر کی صورت حال مخدوش ہو رہی ہے؟ اس پر حضرت نعمانؑ نے فرمایا کہ ”میری ایسی کمزوری جو بر بنائے اطاعت الہی ہو وہ مجھے اس قوت و طاقت سے زیادہ پسند ہے جو اس کی معصیت میں ہو مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس امر پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے خواہ مخواہ اس پردے کو فاش کروں۔ اس پر عبداللہ مذکور نے یہ سارا ماجرا یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرحون نامی سے اس بارے میں مشورہ لیا۔ اس نے



کہا: اگر آپ کے والد زندہ ہوتے اور آپ کو کوئی مشورہ دیتے تو اُسے قبول کرتے، یزید نے کہا ضرور! سرحون نے کہا تو پھر مشورہ یہ ہے کہ آپ کو فہ کی گورنری عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کر دیں۔ ادھر صورت حال ایسی تھی کہ ان دنوں یزید عبید اللہ مذکور پر ناراض تھا اور بصرہ کی گورنری سے بھی اس کو معزول کرنا چاہتا تھا۔ مگر سرحون کے مشورے پر اس نے اظہارِ پسندیدگی کرتے ہوئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری پر بھی عبید اللہ بن زیاد کو نامزد کر دیا اور لکھ دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کرو، اگر مل جائے تو اس کو قتل کر دو۔

### ابن زیاد کو فہ میں اور افشائے راز:

اس حکم کی بنا پر عبید اللہ بصرہ کے چند سرکردہ لوگوں کے ہمراہ اس حالت میں کوفہ پہنچا کہ اس نے ڈھانٹا باندھ رکھا تھا تا کہ اسے کوئی پہچان نہ سکے۔ وہ اہل کوفہ کی جس مجلس سے گزرتا ان پر سلام کہتا اور وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمجھ کر وعلیک السلام یا ابن رسول اللہ (اے رسول اللہ کے بیٹے آپ پر بھی سلام) سے جواب دیتے۔ اسی طرح سلام کہتا اور جواب لیتا ہوا وہ قصر امارت میں پہنچ گیا۔

وہاں پہنچ کر اس نے اپنے ایک غلام کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا تم جا کر اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے لیکن دیکھو تم خود کو ”محض“ کا باشندہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ میں بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور یہ رقم بھی پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ اپنے مشن کی تکمیل میں اس کو صرف کریں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بہ لطائف الحیل اس شخص تک اس کی رسائی ہو گئی جو بیعت لینے کا اہتمام کرتا تھا اور اس نے اپنے آنے کی اور امدادی رقم پیش کرنے کی سب بات کہہ ڈالی۔ اُس نے کہا مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا لیکن یہ محسوس کر کے دکھ بھی ہو رہا ہے کہ ہماری اسکیم ابھی پختہ نہیں ہوئی۔ تاہم وہ اس غلام کو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل کے ہاں لے گیا۔

حضرت مسلم نے اس سے بیعت بھی لے لی اور رقم بھی اس سے قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس سیدھا پہنچا اور سب کچھ اس کو بتلا دیا۔ ادھر حضرت مسلم عبید اللہ کی کوفہ میں آمد کے بعد عوجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ مروای کے مکان پر فروکش ہوئے

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ بارہ ہزار کی تعداد میں ہماری لوگوں نے بیعت کر لی ہے آپ کو فہ تشریف لے آئیں۔

(اور یہاں یہ ہوا کہ) جب عبید اللہ کو پتا چل گیا کہ مسلم رضی اللہ عنہ ہانی کے مکان پر ہیں، تو اُس نے کوفہ کے سرکردہ لوگوں سے کہا کہ کیا بات ہے ہانی میرے پاس نہیں آئے؟ اس پر حاضرین سے ایک شخص محمد بن اشعث چند ہمارہیوں کے ساتھ ہانی کے ہاں گئے تو وہ اپنے دروازے پر موجود تھے۔ اشعث نے کہا کہ گورنر صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں اور آپ کے اب نہ حاضر ہونے کو بہت محسوس کرتے ہیں۔ لہذا آپ کو چلنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے زور دینے پر ہانی ان کے ساتھ ہو لیے اور وہ عبید اللہ کے پاس پہنچے اور اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بھی ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر اس نے کہا دیکھو اس ہانی کی چال کھوٹ کی مظہر ہے پھر اتنے میں وہ اس کے پاس آ گیا تو کہا ہانی! مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے علم نہیں۔ اس پر عبید اللہ نے تین ہزار والے غلام کو اس کے سامنے کر دیا۔ ہانی بالکل لا جواب ہو گئے۔ البتہ اتنا کہا میں نے انہیں اپنے گھر بلایا نہیں وہ خود بخود میرے گھر آ کر ٹھہر گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا ان کو حاضر کرو۔ اس پر پس و پیش کیا تو ابن زیاد نے اپنے قریب منگوا کر اس کے زور سے چھڑی ماری جس سے ان کی بھویں پھٹ گئیں اس پر ہانی نے اس کے ایک محافظ سے تلوار چھین کر عبید اللہ پر وار کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس پر ابن زیاد نے یہ کہہ کر کہ اب تمہارا خون حلال ہے قصر امارت کے ایک حصے میں اس کو قید میں ڈال دیا۔

اس واقعے کی اطلاع ہانی کے قبیلے مذحج کو ہوئی تو انہوں نے قصر امارت پر یلغار بول دی۔ عبید اللہ نے شور سنا اور پوچھا تو کہا گیا ہانی کا قبیلہ ان کو چھڑانے کے لیے چڑھ آیا ہے۔ اُس نے قاضی شریح کے ذریعے ان کو کہلایا کہ ہانی کو مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل کا پتا کرنے اور بعض باتوں کی تحقیق کے لیے روک لیا گیا ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں لیکن ساتھ ہی قاضی شریح پر بھی ایک غلام کو لگا دیا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ لوگوں سے کیا کہتے ہیں؟ قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ہانی کے پاس سے گزرے تو اس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میرے بارے میں

مسلم کو ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے قصر امارت کی چھت پر لے جا کر مسلم ﷺ کو قتل کر دیا گیا۔ (اناللہ) اور ان کی لاش بازار میں لوگوں کے سامنے پھینک دی گئی۔ نیز اس کے حکم سے ہانی کو کوڑے کرکٹ کی جگہ تک گھسیٹتے ہوئے لے جا کر سولی دیدی گئی۔ ادھر تو کوفہ میں یہ تک ہو گیا تھا اور

### حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روائی کوفہ:

ادھر حضرت مسلم چوں کہ خط لکھ چکے تھے کہ بارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے حضرت حسین جلد از جلد تشریف لے آئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے تا آنکہ آپ قادیسیہ سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھے کہ حر بن یزید تمیمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کو ملا، اُس نے کہا کہاں تشریف لے جا رہے ہو۔ آپ نے فرمایا کوفہ، اُس نے کہا وہاں تو کسی خیر کی توقع نہیں آپ کو یہاں سے ہی واپس ہو جانا چاہیے۔ پھر کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے قتل کی پوری روداد آپ کو سنائی۔

سارا قصہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن مسلم کے بھائیوں نے یہ کہہ کر واپس جانے سے انکار کر دیا کہ ہم مسلم رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے یا خود بھی مارے جائیں گے۔ اس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گا۔ اب وہ سب کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ کو ابن زیاد کی فوج کا ہراول دستہ نظر آیا تو آپ نے ”کر بلا“ کا رخ کر لیا اور وہاں جا کر ایسی جگہ پڑاؤ الا جہاں ایک ہی طرف سے جنگ کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ خیمے نصب کر لیے۔ اس وقت آپ کے ساتھ پینتالیس سوار اور سو کے قریب پیدل تھے۔

دریں اثنا عبید اللہ نے عمر بن سعد کو جو کوفہ کا گورنر تھا بلایا اور اس سے کہا اس شخص حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں میری مدد کریں۔ اس نے کہا مجھے تو معاف ہی رکھیے۔ ابن زیاد نہ مانا۔ اس پر عمر بن سعد نے کہا پھر ایک شب سوچنے کی مہلت تو دے دیجیے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے سوچ لو۔ ابن سعد نے رات بھر سوچنے کے بعد صبح آما دی کی اطلاع دے دی۔

اب عمر بن سعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اللہ سے ڈرنا ابن زیاد میرے قتل کے درپے ہیں۔ تاہم قاضی شریح نے ہجوم کو ابن زیاد والی بات کہہ کر مطمئن کر دیا اور لوگ بھی یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ ہانی کو کوئی خطرہ نہیں۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو جب ہنگامے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ سے کوفہ میں اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں چالیس ہزار لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے جس کو انہوں نے باقاعدہ ایک فوجی دستہ کی شکل دے دی جس کا مقدمہ انجیش میمنہ اور میسرہ وغیرہ سبھی کچھ تھا خود حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اس کے قلب میں ہو گئے۔ اس طرح چالیس ہزار کا یہ لشکر جہاں قصر امارت کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبید اللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اعیان کوفہ کو اپنے قصر میں بلایا۔ جب یہ لشکر قصر امارت تک پہنچ گیا تو سرداران کوفہ نے اپنے اپنے قبیلے کو دیواروں کے اوپر سے گفتگو کر کے سمجھانا شروع کیا اب تو مسلم کی فوج کے آدمی کھسنے شروع ہوئے اور ہوتے ہوتے شام تک صرف پانچ سو رہ گئے۔ حتیٰ کہ رات کے اندھیرے تک وہ بھی چل دیئے۔

جب حضرت مسلم نے دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں تو وہ بھی وہاں سے چل پڑے۔ راستہ میں ایک مکان کے دروازہ پر پہنچے تو ایک خاتون اندر سے آپ کی طرف نکلی تو آپ نے اس کو پانی پلانے کے لیے کہا تو اس نے پانی تو پلا دیا لیکن اندر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر آئی تو آپ کو دروازے پر دیکھ کر اُس نے کہا اے اللہ کے بندے! آپ کا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے کہا، میں مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل ہوں کیا تم مجھے پناہ دو گی؟ اس نے کہا ہاں آجائیے۔ آپ اندر چلے گئے لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس عورت کا لڑکا محمد بن اشعث کا آزاد کردہ غلام تھا۔ جب اس کو پتا چلا کہ یہ مسلم بن عقیل ہیں تو اس نے محمد بن اشعث مذکور کو اطلاع دے دی جس نے فوراً عبید اللہ تک خبر پہنچائی جس نے اس کے ہمراہ پولیس روانہ کر دی اور ان کو مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ پولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کر لیا جب کہ مسلم کو خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ اب خود کو انہوں نے محصور پایا تو تلوار سونت کر نکل آئے اور پولیس سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ لیکن ابن اشعث نے ان کو روک کر کہا کہ میں ذمہ دار ہوں آپ محفوظ رہیں گے۔ پس وہ حضرت

بنت علیؓ اس کے اوپر گر پڑیں اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں گی اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی۔ اس صورت حال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا اور بعدہ اسیران جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا۔

جب حضرت حسینؓ کے بچے کھچے یہ افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو چند درباریوں نے حسب دستور یزید کو تہنیت فتح پیش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جسارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا امیر المومنین! یہ مجھے دے دیجیے۔ یہ سن کر حضرت زینب بنت علیؓ نے کہا بخدا! یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر اس صورت کے کہ یزید دین الہی سے نکل جائے۔ پھر اُس شخص نے دوبارہ کہا تو یزید نے اُسے ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد یزید نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا۔ پھر ان کو تیار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ مدینے پہنچے تو خاندان عبدالمطلب کی ایک عورت سر بیٹتی اور روتی ان سے ملنے آئی اور اس کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم  
ماذا فعلتم وانتم آخر الامم  
بعترتی وباهلی بعد مفتقدی  
منہم اُساری و قتلی ضر جوا بدم  
ما کان ہذا جزائی اذ نصحت لکم  
ان تخلفونی بشر فی ذوی رحمی

ملاحظات (از: ع، ح):

حضرت ابو جعفر باقر کا بیان یہاں ختم ہو گیا۔ حافظ ابن حجرؒ الاصابہ ص: ۱۷، ج: ۲ حضرت حسینؓ کے تذکرہ میں اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

وقد صنّف جماعة من القدماء فی مقتل الحسين  
تصانیف فیہا الغث والسمین والصحيح والسقیم  
وفی هذه القصة التي سقتها غنی -  
یعنی ”چند تاریخ نویسوں نے مقتل حسینؓ کے بارے میں

حضرت نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دیکھو تین باتوں میں سے ایک بات منظور کر لو۔

①..... یا تو مجھے کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے دو

②..... یا مجھے موقع دو کہ میں براہ راست یزید کے پاس پہنچ

جاؤں اور

③..... یا پھر یہ کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

ابن سعد نے یہ تجویز خود منظور کر کے ابن زیاد کو بھیج دی۔ اس نے لکھا ہمیں یہ منظور نہیں۔ بس ایک ہی بات ہے کہ حسینؓ (یزید کے لیے) میری بیعت کریں۔ ابن سعد نے یہی بات حضرت حسینؓ تک پہنچا دی۔ انہوں نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر آپس میں لڑائی چھڑ گئی اور حضرت کے سب ساتھی (مظلومانہ) شہید ہو گئے جن میں دس سے کچھ اور نو جوان ان کے گھر کے تھے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو حضرت کے چھوٹے بچے پر لگا جو گود میں تھا۔ آپؓ اس سے خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے:

”اے اللہ! ہمارے اور ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما جنہوں نے پہلے یہ لکھ کر ہمیں یہاں بلایا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے پھر اب وہی ہمیں قتل کر رہے ہیں۔“

اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی۔ مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، رضی اللہ عنہ۔ اور یہ شخص جس کے ہاتھ سے حسینؓ شہید ہوئے قبیلہ مذج کا آدمی تھا۔ اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی متعلقہ تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مذج ہانی کا وہی قبیلہ تھا جس نے قصر امارت پر چڑھائی کر دی۔ یہ شخص حضرت کا سرتن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اس نے اس شخص کو آپ کا سر مبارک دے کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ادھر ابن سعد بھی حضرت کے اہل خانہ کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا اور ان کا صرف ایک لڑکا بچا رہ گیا تھا اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدینؓ تھے۔ اور روایت کے راوی ابو جعفر الباقر کے والد تھے۔ یہ عورتوں کے ساتھ اور بیمار تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے اس پر ان کی پھوپھی زینب



مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں رطب و تابس، غلط صحیح سب کچھ بھر دیا گیا ہے لیکن جس قدر یہ قصہ میں نے ذکر کیا ہے یہی کافی ہے۔“

⑤..... گورنر مدینہ منورہ ولید بن عتبہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی حکومت کو تسلیم کرنے کو کہا تاہم معمول کے مطابق حاکمانہ دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ وہ حضرت رضی اللہ عنہ کو سوچنے کی مہلت نہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ انکا ذہن صاف تھا۔

⑥..... قابل غور اولیٰ بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سوچنے کی مہلت لے کر مکہ معظمہ کیوں تشریف لے گئے؟ پھر اس کا اظہار انہوں نے ولید سے کیوں نہ فرمایا؟

ثانیاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر واقعی دینی اعتبار سے یزید کے خلاف تھے تو کوفہ کے قریب پہنچ کر مسلم کی شہادت کی خبر ملنے پر کیوں واپس ہونے پر آمادہ ہو گئے؟ کیا جس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ مکہ معظمہ سے نکلے تھے مسلم کے حادثہ قتل کی اطلاع سے وہ ساقط ہو گیا تھا؟

ثالثاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے ان شرائط مصالحت کے متعلق جو عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ نے رکھیں جس سے پتا چلتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ آپ ہر قسم کے ارادوں سے دست بردار ہو گئے تھے بلکہ یزید کی حکومت تک تسلیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

رابعاً اگر آپ کے نزدیک یزید مسلمان نہیں تھا یا آپ اس کو لعنتی اور فاسق و فاجر گردانتے تھے یا اس کو حکومت کا اہل نہیں سمجھتے تھے تو اس کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لیے کیوں تیار ہو گئے تھے۔ یزید کے ہاں جانے کے مطالبے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت اس کو نہ اپنا دشمن جانتے تھے نہ ظالم و سفاک بلکہ آپ کو اس سے حسن سلوک کی توقع تھی اسی لیے جب کوئی اور چارہ کار نہ رہا تو اسی کے پاس پہنچ جانے کی خواہش فرمائی۔

ابن زیاد کی فوج سب کوفہ کی تھی اور وہی اس ساری کارروائی کے ذمہ دار ہیں۔ ان ظالموں نے عمر بن سعد کی مساعی مفاہمت کو نا کام بنادیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک بات نہ سنی جس کے نتیجے میں یہ المناک

حادثہ پیش آیا۔

اصل معاملہ اسی قدر ہے باقی سب زیب داستان ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

**ماہ محرم کی بدعات اہل سنت و جماعت کے غور کے لیے:**

محرم کی شرعی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اس میں صرف نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں خصوصاً عاشورہ کے دن کا روزہ بڑی فضیلت والا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ [مشکوٰۃ]

لیکن حسب فرمان رسول اللہ ﷺ

صوموا قبلہ یوماً او بعده یوماً۔ [اخرجہ الامام احمد فی مسندہ، ج: ۴، ص: ۲۱، طبع احمد شاکر وقال

اسنادہ حسن]

”نویا گیا رہ محرم کا روزہ ملا کر دو روزے رکھ لینے چاہئیں۔“

اس کے علاوہ اس دن میں کسی چیز کا ثبوت نہیں۔ عام اہل اسلام خصوصاً اہل سنت والجماعت کی آگاہی کے لیے یہ گزارش کرنا ہے کہ اس ماہ میں رواج یافتہ بدعات سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔

اس عشرے میں یا خاص عاشورے کے دن خصوصی کھانے پکانا، اپنے گھر میں مصنوعی وسعت کرنا، صدقہ و خیرات اور مساکین کو کھانا کھانا، دانے جوش دینا، سبیلیں لگوانا، ایسی سبیلوں سے پانی پینا، ماتمی لباس پہننا، سرمہ لگانا، قبروں کی زیارت کے لیے جانا اور ان پر تازی مٹی ڈالنے کا اہتمام کرنا وغیرہ کام بدعت اور ناجائز ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق حنفی دہلوی رحمہ اللہ نے ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ کی الصواعق المحرقة سے اپنی کتاب ماثبت بالسنتہ میں تسلیماً نقل کیا ہے۔ بالخصوص جو چیز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کسی دوسرے کے نام کی ہو وہ ماہ اہل بغیر اللہ بہ میں داخل اور حرام ہے۔

نیز یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ اس عشرے میں واقعات بڑی رنگ آمیزی سے بیان کیے جاتے ہیں ان سے اجتناب بھی بڑا ضروری ہے اس لیے کہ اولاً اس طرح یہ امر محرم کی خصوصیت معلوم ہونے لگی ہے جو درحقیقت نہیں ہے۔

ثانیاً: اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں کی تنقیص کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔

ثالثاً: ان واقعات میں رونے رلانے والی بہت سی کہانیوں کا ثبوت سخت مشکوک اور مخدوش ہے۔ ان کا اکثر حصہ ایک داستان گو ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ متوفی ۱۷۵ھ کی افسانہ طرازی ہے جو ایک کٹر قسم کا دروغ گو شیعہ بتایا جاتا ہے جیسا کہ اس طرف آٹھویں صدی کے مستند مورخ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس کی بعض اشتعال انگیز اور مبالغہ آمیز کہانیاں بیان کر کے اشارہ فرمایا ہے۔

وفی بعض ما اور دناءہ نظر ..... اکثر من روایۃ ابی مخنف لوط بن یحییٰ وقد کان شیعياً وهو ضعیف الحدیث -

البدایہ، ج: ۸، ص: ۲۰۲، میزان الاعتدال، ج: ۴، ص: ۱۹ طبع جدید میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

لا یوثق بہ ترکہ ابوحاتم وغیرہ وقال الدار قطنی ضعیف وقال ابن معین لیس بشیء وقال ابن عدی شیعى محترق صاحب اخبارهم - ایسا ہی لسان الہمز ان میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص کسی کام کا نہیں۔ یہ ائمہ جرح و تعدیل کی اس شخص کے بارے میں شہادتیں ہیں جس کی تائید اس کی تالیف مقتل الحسین سے ہو سکتی ہے جو طبع ہو چکی ہے۔ اس میں ایسی ایسی باتیں ان صاحب نے درج کی ہیں کہ جن کو عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ عجائب و غرائب اور تضادات کا پلندہ ہے۔ بنا بریں بلا تحقیق کوئی قصہ بیان کرنے سے نادانستگی میں کئی غلط باتوں کو شہرت ہو جاتی ہے جو کفیی بالمرء اثماً ان یحدث بکل ما سمع (حدیث) کے ضمن میں آ جاتا ہے۔

اتفاقاً ایسا ہو گیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت دس محرم ۶۱ھ کو وقوع میں آ گئی لیکن ایسے ہی یکم محرم کو ایرانیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی سازش سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب کہ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آپ تیار ہو رہے تھے خنجر سے ناگہانی شہید کر دیا گیا۔ جس طرح کوئی دینی حیثیت یکم محرم کو حاصل نہیں اسی طرح عاشورے کے

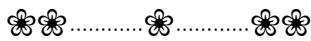
دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اس دن کو کوئی امتیاز نہیں ملا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت مظلومانہ اس لیے ہوئی کہ آپ کوفہ والوں کے زور دینے پر کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں تو اہل کوفہ یزیدی بجائے ان سے بیعت خلافت کر لیں گے، مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے باوجودیکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو بزور یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ ہرگز کوفہ نہ جائیں نہ اہل کوفہ پر ذرہ بھرا اعتماد فرمائیں۔

[ملاحظہ ہو تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ وغیرہ]

ماتمی جلسوں، جلوسوں اور تعزیوں کی اسلام میں کوئی اصل نہیں۔ اس قسم کی رسمیں باطنی فرقہ کے ایک بادشاہ معز الدین نے ۳۵۲ھ میں ایجاد کی تھیں۔ اس سے پہلے ان کا کوئی کسی زمانے میں وجود نہیں ملتا۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ، ج: ۱۱، ص: ۴۳۔ نیز مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم و مغفور کی اردو تاریخ اسلام، ج: ۳، ص: ۵۶۵ طبع کراچی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔)

ایک یہ رسم بھی چل نکلی ہے کہ محرم کو ماتمی مہینہ سمجھ کر اس میں شادیاں بند کر دی جاتی ہیں۔ اہل سنت والجماعت کو چاہیے کہ اس خیال فاسدہ کو ذہنوں سے کھرپنے کی کوشش کریں اور عملاً اس غلط رسم کو حرف غلط کی طرح مٹانے کا عزم کریں۔ اس طرح کہ محرم میں شادیاں رچائیں اور دوسرے لوگوں کو بتا دیں کہ محرم ماتمی مہینہ نہیں ہے۔ پھر اسلام نے ماتم کا ایک سلجھا ہوا انداز مقرر فرمایا ہے۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں ماتم کا جو طرز اختیار کیا جاتا ہے اسلام میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

ہماری غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تو خیر تعزیہ وغیرہ کو اپنا مذہبی شعار بنالیا ہے لیکن اہل سنت والجماعت کو چاہیے کہ حقائق ثابتہ پر غور کریں۔ بدعات سے بچیں۔ اگر کوئی شخص قانونی حدود میں اپنی مذہبی رسوم ادا کرتا ہے تو اسے کھلے دل سے کرنے دیں۔ خود نہ تعزیہ نکالنے کا ارتکاب کریں نہ اس قسم کے جلوسوں میں شامل ہوں اور نہ ہی ان کو دیکھ کر دینی دنیوی مشکلات سے دوچار ہونے کے اسباب پیدا کریں۔



## دوہرے اجر کے مستحق لوگ

غلام مصطفیٰ فاروق

قاضی وحاکم یا مجتہد:

دوہرے اجر و ثواب کے مستحق خوش نصیب لوگوں میں سے ایک وہ قاضی و حاکم یا مجتہد بھی ہے، جو پیش آمدہ مسئلہ یا فیصلہ میں اپنی پوری توجہ، اخلاص اور نیک نیتی سے غور و خوض اور سوچ و بچار کرتا ہے اور صحیح فیصلے تک پہنچ جاتا ہے تو ایسے آدمی کے بارے میں رحمت عالم ﷺ نے اپنی زبان نبوت سے فرمایا کہ یہ بھی دوہرے اجر و ثواب کا حق دار ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم سنن اربعہ اور مسند احمد میں ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ -

وَأَنْ حَكَمَ وَاجْتَهَدَ فَأَخْطَا فَلَهُ أَجْرٌ -“ [صحیح

بخاری، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم اذا اجتهد

فأصاب أو أخطأ]

”جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے، پھر اجتہاد سے وہ درستی کو پہنچ گیا تو اس کیلئے دو گنا اجر و ثواب ہے اور جب وہ فیصلہ کرے اور اجتہاد میں اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔“

امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

”أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ فِي

حَاكِمٍ عَالِمٍ أَهْلٍ لِلْحَكْمِ فَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ -

أَجْرٌ بِاجْتِهَادِهِ وَأَجْرٌ بِإِصَابَتِهِ وَإِنْ أَخْطَا فَلَهُ أَجْرٌ

بِاجْتِهَادِهِ -“

”اس باب میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حدیث اس حاکم کے بارے میں ہے جو عالم ہو اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہو۔ اگر اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ ایک اجر اس کے اجتہاد کا ہوگا اور ایک اجر اس کی اصابت رائے کا۔ اگر اس کا اجتہاد و فیصلہ غلط ہو تو اس کو اپنے اجتہاد کا ایک اجر تو ضرور ہی ملے گا۔“

فاضل مکرم مولانا عطاء اللہ ساجد رحمہ اللہ اس حدیث مبارک کے فوائد و شرح میں لکھتے ہیں:

①..... اجتہاد کے لفظ معنی کوشش کرنا ہیں۔ یہاں یہ مطلب

ہے کہ دلائل و شواہد کی روشنی میں اخلاص کے ساتھ پیش آمدہ مسئلے تک پہنچنے کے لیے پوری توجہ اور کوشش سے سوچ و بچار کی جائے اور یہ فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ اپنی طرف سے صحیح فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کرے۔

②..... اس کوشش اور اجتہاد کے نتیجے میں صحیح بات سمجھ آ جانا اللہ

تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کے نتیجے میں حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے۔ یا مسئلہ پوچھنے والے کو صحیح مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے اور مسلمان کو فائدہ پہنچانا ایک نیکی ہے۔ لہذا اجتہاد کرنے والے کو اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ یہ ثواب اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

③..... جس شخص سے اجتہاد میں غلطی ہو جائے اور اس کے نتیجے

میں کسی کو غلط مسئلہ بتایا جائے، یا حق دار اپنے حق سے محروم ہو جائے تو اجتہاد کرنے والے قاضی یا عالم کو گناہ نہیں ہوگا کیوں کہ اس نے صحیح بات کو سمجھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ لہذا اسے اس کوشش کا ثواب بہر حال

ملے گا۔

۴)..... اگر بعد میں آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ عالم سے مسئلہ معلوم کرنے میں غلطی ہوئی ہے تو انہیں اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اور غلطی کرنے والے عالم کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے کہ اس نے جان بوجھ کر غلط مسئلہ نہیں بتایا۔ [سنن ابن ماجہ مترجم، طبع دار السلام، لاہور، ج: ۴، ص: ۴۰۹]

ان تشریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر مجتہد وقاضی یا حاکم کو بہر حال اجر و ثواب ملے گا۔ اگر فیصلہ یا اجتہاد درست ہوا تو دوسرے اجر کا باعث ہوگا۔ کیوں کہ اس مجتہد وقاضی نے فیصلہ کے لیے محنت و کوشش، دیانت داری سے کی ہے۔ اجتہاد درست ہوا تو دوسرا اجر، ایک اجر کوشش و محنت کا اور ایک اجر درستی تک پہنچنے کا۔

### مجتہد وقاضی کے لیے علم دین از حد ضروری ہے:

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ مسلمانوں کے حاکم وقاضی اور افسر مجاز کو قرآن و سنت کا ماہر عالم ہونا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت وہ اجتہاد کر سکے۔ جیسا کہ اس حدیث کی شرح و فوائد میں مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”جن معاملات میں کوئی نص شرعی نہ ہو ان کی بابت ان سے ملتی جلتی شکلوں کو سامنے رکھ کر جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اجتہاد وہی شخص کر سکتا ہے جسے قرآن و حدیث کی صحیح سمجھ ہو۔“

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے حاکم وقاضی اور افسر مجاز کو قرآن و حدیث کا عالم ہونا چاہیے تاکہ حسب ضرورت وہ اجتہاد کر سکے۔ اس اجتہاد میں وہ اخلاص اور نیک نیتی سے کام لے گا تو اس کے لیے ہر صورت میں اجر ہے۔ بلکہ درستی کی صورت میں دوسرا اجر ہے۔ [دلیل الطالبین شرح وفوائد]

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

”فَأَمَّا مَنْ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْحُكْمِ فَلَا يَحِلُّ لَهُ الْحُكْمُ“

فَإِنْ حَكَمَ فَلَا أُجْرَ لَهُ بَلْ هُوَ آثِمٌ - وَلَا يُنْفَذُ حُكْمُهُ، سَوَاءً وَافَقَ الْحَقَّ أَمْ لَا - لِأَنَّ أَصَابَتَهُ إِتِّفَاقِيَّةٌ لَيْسَتْ صَادِرَةً عَنْ أَصْلٍ شَرْعِيٍّ فَهُوَ عَاصٍ فِي جَمِيعِ أَحْكَامِهِ - سَوَاءً وَافَقَ الصَّوَابَ أَمْ لَا وَهِيَ مَرْدُودَةٌ كُلُّهَا - وَلَا يُعَدُّ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ -“

”جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی نا اہل شخص نے فیصلہ کیا تو اس کو اجر نہیں ملے گا، بلکہ گناہ گار ہوگا۔ اور اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ خواہ اس کا فیصلہ صحیح ہو یا غلط۔ کیوں کہ اس کے فیصلے کا صحیح ہونا اتفاقی ہے اور اس کا فیصلہ کسی دلیل شرعی پر مبنی نہیں ہے۔ اس لیے وہ اپنے تمام فیصلوں میں گناہ گار ہوگا۔ خواہ صحیح ہوں یا نہ ہوں اور اس کو معذور نہیں قرار دیا جائے گا۔“

### نا اہل قاضی و مجتہد کا انجام:

قاضی و حاکم اور مجتہد کے لیے یہ کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے کہ ان کو دوسرے اجر اور دو گنا ثواب کی نوید سنائی گئی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عہدہ قضا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جہاں عالم و فاضل، باصلاحیت، قرآن و حدیث کے دلائل غور و خوض اور سوچ و چار کر کے نیک نیتی سے فیصلہ کرنے والے مجتہد وقاضی دوسرے اجر کے مستحق ہیں وہیں قرآن و سنت کے جواہرات سے تہی دامن، نا اہل قاضیوں اور مجتہدوں کو دوزخ و جہنم کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد و ترمذی، سنن ابن ماجہ و نسائی، معجم طبرانی کبیر، مستدرک حاکم اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ، وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ - فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ - وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ - وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ -“

[صحیح الجامع: ۴۴۶، ۴۴۷]

دلائل سے اپنی صداقت و سچائی کا قاضی و حاکم کو یقین و اعتماد دلادیتا ہے اور وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے یا فتویٰ دے دیتا ہے۔ تو قاضی شریعت کے اس فیصلہ یا فتویٰ سے وہ چیز اس جھوٹے و کذاب مدعی یا مدعا علیہ کے لیے حلال یا جائز نہیں ہو جاتی، حرام و ناجائز ہی رہتی ہے۔ اور جھوٹا مقدمہ لڑنے والا اپنی جھوٹی متاثر کن تقریر سے یا قسم و حلف سے جہنمی بن جاتا ہے۔ ع

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

### چرب زبان لوگوں کے لیے ایک نصیحت:

صحیح بخاری و صحیح مسلم سنن اربعہ اور مؤطا امام مالک اور مسند احمد میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث نبوی ہے کہ رسول مقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضُكُمْ أَنْ يَكُونَ الْحَنُ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ“ [صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب من

اقام البينة بعد اليمين، ح: ۶۹۶۷، ۲۶۸۰، ۷۱۶۹]

”میں ایک بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات و مقدمات لاتے ہو اور ہو سکتا ہے تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولنے والا اور بہتر انداز میں تقریر کر کے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے، پھر میں اس کی بات سن کر اس کے مطابق اسی کے حق میں فیصلہ دے دوں اور اس طرح اس کے لیے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں، تو وہ اس کو ہرگز نہ لے۔ (اس جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم کے نتیجے میں) اس کو جو دیتا ہوں وہ (انجام کے لحاظ سے) اس کے لیے دوزخ کا ایک حصہ ہے۔“

### اس حدیث کے فوائد و مسائل:

اس حدیث کے تحت فضیلۃ الشیخ عمر فاروق سعیدی رحمہ اللہ نے درج

”قاضی تین قسم کے ہیں، ان میں سے ایک جنت کا مستحق اور دوزخ کے مستحق ہیں۔ جنت کا مستحق وہ قاضی و حاکم ہے جس نے حق کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور جس قاضی نے حق کو سمجھنے کے باوجود ناحق فیصلہ کیا وہ دوزخ کا مستحق ہے۔ اسی طرح وہ قاضی و حاکم بھی دوزخ کا مستحق ہے جو ناواقف ہونے کے باوجود فیصلہ کرنے کی جرأت کرتا ہے۔“

### ایک وضاحت:

یہ بات طے ہے کہ قاضی و مجتہد اگر غور و فکر اور محنت و کوشش کے باوجود بھی صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکے اور فیصلہ یا فتویٰ میں اس سے خطا بھی ہو جائے تو اسے ثواب و اجر تو بہر حال ملے گا۔ لیکن جان بوجھ کر اس غلط فیصلے یا فتوے کو بنیاد بنا کر کسی حق دار کو حق سے محروم کرنے والا ضرور مجرم ہوگا۔ کیوں کہ وہ تو جانتا ہے کہ اس فیصلہ میں وہ حق پر نہیں تھا۔ حق پر اس کا دوسرا بھائی تھا لیکن میرے غلط دلائل نے قاضی و حاکم کو متاثر کر لیا ہے۔ جس کی وجہ سے قاضی و مجتہد نے فیصلہ یا فتویٰ دے دیا ہے۔ لہذا ایسے آدمی کو قاضی و مفتی یا مجتہد کے فیصلہ کے باوجود کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ میرے حق میں قاضی کا فیصلہ ہے یا کسی مفتی و مجتہد کا فتویٰ ہے۔

### جھوٹے دلائل سے قاضی کو متاثر کر لینا:

سوال کی شکلوں کو توڑ مروڑ کر اپنے حق میں فتویٰ حاصل کر لینے سے، یا متاثر کن تقریر اور جھوٹے دلائل سے قاضی و حاکم کو متاثر کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے لینے سے باطل حق نہیں ہو سکتا، جھوٹ سچ نہیں ہو سکتا۔ باطل باطل ہی رہے گا، جھوٹ جھوٹ ہی رہے گا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے، بلکہ ہوتا ہے کہ ایک مکار و چالاک اور شاطر آدمی کسی دوسرے آدمی پر غلط اور جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور پھر اس کے ایسے ثبوت و دلائل پیش کرتا ہے کہ قاضی و حاکم اس کو برحق اور صحیح سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ یا فتویٰ دے دیتا ہے۔

اسی طرح کبھی کوئی جھوٹا مدعا علیہ اپنی چرب زبانی اور جھوٹے



ذیل فوائد و مسائل لکھے ہیں:

①..... قاضی کا فیصلہ صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے اور مقدمے کے فریقین بالعموم اپنے طور پر خوب جان رہے ہوتے ہیں کہ حق کس کا ہے اور باطل پر کون ہے، الا ماشاء اللہ۔ تو جہاں معاملہ صاف ہو وہاں ظالم کو اپنے بھائی کا حق مارتے ہوئے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ قاضی کے فیصلے کے باوجود آگ کا ٹکڑا لے رہا ہے۔

②..... فیصلہ کرنے میں قاضی سے خطا کا سرزد ہو جانا اس کے لیے معاف ہے۔

③..... رسول اللہ ﷺ کے اس بیان سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ غیب نہیں جانتے تھے۔

④..... یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔

⑤..... رسول اللہ ﷺ بعض فیصلے اپنے اجتہاد سے کرتے تھے۔ امت کے قاضی ہمیشہ اجتہاد سے ہی فیصلے کر سکتے ہیں اور ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد و طریقہ اجتہاد بہترین نمونہ اور حجت ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجتہد و قاضی کو بہر حال ثواب ضرور دیا جائے گا، خواہ فیصلہ میں خطا کر جائے اس کی وہ خطا معاف ہے۔

### مجتہد کا صحیح نتیجہ تک پہنچ جانا باعث مسرت ہے:

مجتہد و مفتی کا قرآن و حدیث کے دلائل کو سامنے رکھ کر صحیح نتیجہ تک پہنچ جانا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مجتہد کے لیے فرحت و انبساط کا باعث بھی ہے۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ظاہر ہے جس میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ آئے، انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا:

”إِنَّ رَجُلًا مِّنَّا تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يُفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا  
وَلَمْ يَجْمَعْهَا إِلَيْهِ حَتَّى مَاتَ -“

”ہم میں سے ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس

کا حق مہر مقرر نہیں کیا، اور نہ اس سے جماع کیا ہے اور وہ آدمی فوت ہو گیا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال یہ تھا کہ ایسی عورت کا حق مہر کیا ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے غور و خوض کیا اور کہنے لگے:

”مَا سَأَلْتُكَ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ هَذِهِ -“

”جب سے میں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہوا ہوں مجھ سے اس سے سخت مسئلہ آج تک نہیں پوچھا گیا۔“

اور پھر مزید کہا کہ اے لوگو! تم یہ مسئلہ میرے علاوہ کسی اور سے پوچھ لو۔ لیکن ان لوگوں نے بھی ایک ماہ تک مسلسل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا آخر وہ لوگ کہنے لگے:

”مَنْ نَسْأَلُ إِنْ لَمْ نَسْأَلْكَ وَأَنْتَ مِنْ جِلَّةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ بِهَذَا الْبَلَدِ وَلَا نَجِدُ غَيْرَكَ -“

”آخر ہم کس کے پاس جائیں اور کس سے مسئلہ پوچھیں؟ آپ ﷺ نبی اکرم ﷺ کے عظیم صحابہ میں سے ہیں۔ رسول معظم ﷺ کے صحابہ میں سے آپ جیسے بزرگ صحابی کوئی بھی ہمارے اس شہر میں نہیں ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا:

”سَأْأُولُ فِيهَا بِجَهْدِ رَأْيِي - فَإِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ - إِنْ كَانَ خَطَأً فَمِنْى وَمِنْ الشَّيْطَانِ - وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرَاءٌ -“

”میں (مکمل غور و خوض کے بعد اپنے اجتہاد) اور اپنی رائے کے ساتھ یہ مسئلہ بتاتا ہوں، اگر درست اور صحیح ہوا تو اللہ وحدہ لا شریک کی طرف سے ہے۔ اگر خطایا غلط ہو تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔“

اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے مسئلہ اس طرح بتایا:

اِس سعادَت بزوَر بازو نیست  
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

### اجتہادی خطا پر ایک اجر کی مثال:

سنن ابی داؤد و نسائی و سنن دارمی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”خَرَجَ رَجُلَانِ فِي السَّفَرِ - فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ - فَنَيَّمَا صَبِيحًا طَيِّبًا - فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَا أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ - وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ آتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَا ذَلِكَ لَهُ - فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ أَصَبْتَ السَّنَةَ وَأَجْرُكَ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ لَكَ الْأَجْرَ مَرَّتَيْنِ -“ [سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب

التیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت]

”دو آدمی سفر پر نکلے اور نماز کا وقت ہو گیا، ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ مگر ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ پانی مل گیا۔ تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز دہرائی اور دوسرے نے نہ دہرائی۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنا واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے اس آدمی کو جس نے نماز نہیں دہرائی تھی، فرمایا: تم نے سنت پر عمل کیا اور تمہارے لیے نماز کافی ہو گئی۔ اور جس نے وضو کر کے نماز دہرائی تھی اسے فرمایا: تمہارے لیے دوہرا اجر ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی مل جائے تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ ہاں تیمم ٹوٹ گیا، آئندہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

دوبارہ پڑھنے والے سے یہ جو کہا کہ تمہیں دوہرا اجر ملے گا۔ تو یہ نماز پڑھنے کا اجر نہیں، بلکہ ایک اجر نماز کا ہے اور دوسرا اجر اجتہاد کا۔ کیوں کہ اگر ایک مجتہد سے اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو مجتہد کو بہر حال ایک

”أَرَى أَنْ أَجْعَلَ لَهَا صِدَاقَ نِسَاءِهَا لَا وَكَسَ وَلَا شَطَطَ وَلَهَا الْمِيرَاثُ - وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا -“

”میری رائے اور خیال ہے کہ اس عورت کو اتنا حق مہر دینا چاہیے جتنا اس کے ہاں کی دوسری عورتوں کا حق مہر ہے، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ اور اسے خاوند کی میراث میں سے حصہ بھی دیا جائے گا اور خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن عدت بھی گزارنی ہوگی۔“

یہ مسئلہ جب اشجع قبیلہ کے لوگوں نے سنا تو اس قبیلہ کے لوگوں نے کہا:

”نَشْهَدُ أَنَّكَ فَضَيْتَ بِمَا قَضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي امْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا بِرُوعُ بِنْتٍ وَاشْتِ -“

”اے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری قوم کی ایک عورت کا فیصلہ کیا تھا اس عورت کا نام بروع بنت واشق تھا۔“

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبیہ سنا کہ میرا یہ اپنی رائے اور اجتہاد سے بتایا ہوا مسئلہ رسول رحمت ﷺ کے فیصلے کے عین مطابق ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس حدیث کو روایت کرنے والے تابعی حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فَمَا رَوَى عَبْدُ اللَّهِ ﷺ فَرِحَ فَرَحَهُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِإِسْلَامِهِ -“ [سنن نسائی، کتاب النکاح، باب اباحۃ

التزویج بغیر صدق]

”اسلام قبول کرنے کی خوشی کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔“

مجتہد کو صحیح نتیجہ تک پہنچ کر خوشی و مسرت کیوں نہ ہو، جب کہ ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ نے دوہرے اجر و ثواب کا حق دار قرار دیا ہے، جو کہ بہت بڑی سعادت و خوش بختی کی علامت ہے۔

اجر ملتا ہے۔

### اجتہاد پر قرآن وحدیث کو فوقیت دینا:

سلف کا یہ دستور تھا کہ نوعیت مسئلہ سمجھنے کے بعد اجتہاد کی بنیاد پر اگر کوئی فیصلہ کرتے اور ان کے سامنے قرآن کی کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیث ان کے اجتہاد کی تردید میں پیش کی جاتی تو وہ اپنے فیصلے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو ترجیح دینے میں بالکل پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ اس کی ایک واضح مثال درج ذیل واقعہ ہے:

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک عورت نیا پنی شادی کے صرف چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا جب کہ عورتیں عموماً نو یا کم سے کم سات ماہ کے بعد ہی بچہ جنمتی ہیں۔ لوگوں کو شک ہو گیا کہ ضرور یہ عورت حقوق زوجیت میں خیانت کی مرتکب ہوئی ہے۔ ان کے مابین چھ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ یہ عورت حق زوجیت کی ادائیگی میں مخلص نہیں ہے۔ اس کا یہ حمل شادی سے پہلے کا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی اور اس سلسلے میں باقاعدہ مقدمہ پیش ہوا۔ اس عورت کو خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا تاکہ اسے سزا دی جائے وہاں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور خلیفہ کے قاضی وہی تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: لوگو! تم صرف اسی وجہ سے کہ عورت نے شادی کے چھ ماہ بعد بچے کو جنم دیا ہے۔ اس کو سزا نہیں دے سکتے اور نہ اس پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے حق میں مخلص نہیں ہے۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات پر بڑا تعجب کیا اور پوچھا: آخر آپ یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [الحقاف: ۱۵]

”عورت کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس

مہینے ہے۔“

یعنی حمل اور رضاعت کی پوری مدت تیس ماہ (دو سال چھ ماہ) کی ہے اور سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾

[البقرۃ: ۲۳۳]

”مائیں اپنی اولادوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔“

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق دودھ پلانے کی مدت دو سال یعنی چوبیس مہینے ہے۔ گویا حمل اور رضاعت کی کل مدت تیس ماہ بنتی ہے۔ اس میں چوبیس مہینے تو دودھ پلانے کی مدت ہے اور باقی چھ ماہ حمل کے رہ گئے۔ لہذا چھ ماہ میں اگر کوئی عورت بچے کو جنم دے تو وہ قابل سرزنش نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا بچہ اس کے شوہر ہی کا شمار ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کی بنا پر عورت رجم ہونے سے بچ گئی۔ [مصنف عبدالرزاق: ۷/۳۵۲، رقم: ۱۳۴۴۸]

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مذکورہ دونوں آیات سے اور سورۃ لقمان کی آیت نمبر: ۱۴ ﴿وفصله فی عامین﴾ سے یہ استدلال کیا ہے کہ وضع حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ چھ ماہ میں اگر کوئی عورت بچے جنم دے تو اس کی سرزنش نہیں کی جائے گی۔ اس کا بچہ اس کے شوہر ہی کا شمار ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استنباط صحیح اور قوی ہے۔ اس رائے سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ مصنف عبدالرزاق کی حدیث: ۱۳۴۴ کے مطابق امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔ [جاری ہے]



### مدرس و خطیب کے ضرورت مند

راقم کسی اہل حدیث مسجد میں خطابت اور تدریس کے لیے خدمات انجام دینا چاہتا ہے۔ کسی جگہ ضرورت ہو تو رابطہ کریں۔

قاری اللہ دتہ ساجد

0345-4805325





## مولانا محمد اسحاق بھٹی

### برصغیر پاک و ہند کے معروف مؤرخ

(مولانا) صلاح الدین مقبول احمد (کویت) ..... ترجمہ: ابو بکر ظفر

ستر سال تک صحیح بخاری کا درس دیا، نیز جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ان کی تدریسی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ حافظ صاحب کے پرانے شاگردوں میں سے ایک مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری (م ۱۴۱۴ھ) ”مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح“ کے مؤلف ہیں۔

②..... مولانا محمد اسماعیل سلفی (۱۳۱۴-۱۳۸۷ھ) سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان۔ انھوں نے پچاس سال تک درس قرآن دیا اور لوگوں کو بے حد مستفید فرمایا۔ نہایت عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ دفاع سنت کے سلسلے کے متعدد رسائل و کتب کے مصنف ہیں۔ فجزاہ اللہ خیرا حسن الجزاء

ان میں سے بعض عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔  
③..... مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۴۰۸ھ) سنن نسائی کی شرح بنام ”التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی“ تالیف فرمائی۔ علاوہ ازیں وہ ہفت روزہ الاعتصام اور دار الدعوة السلفیہ لاہور کے بانی ہیں۔ اس ادارے اور رسالے کا علمی اور سلفی دعوت پھیلانے میں بڑا مؤثر کردار ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اپنی علمی اور اداراتی زندگی میں مشاہیر اہل علم سے استفادہ کیا۔ مثلاً مولانا محمد داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳م) سے جو تقسیم ہند کے بعد جمعیت اہل حدیث پاکستان کے پہلے امیر منتخب ہوئے۔ مولانا غزنوی بہت بڑے سیاسی راہنما بھی تھے، دینی و دنیاوی لحاظ سے جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن مولانا نے کبھی پارلیمنٹ وغیرہ میں عہدہ و اختیارات کی تلاش نہیں کی، ان کے آباء

یہ میرے لیے سعادت کی بات ہے کہ میں اس شخصیت کے متعلق لکھ رہا ہوں جو بہت بڑے مصنف، کہنہ مشق صحافی اور مؤرخ ہیں۔ انہوں نے پورے جوش و جذبہ کے ساتھ ساری زندگی تصنیف و تالیف، صحافت اور اداراتی ذمہ داریوں میں صرف کردی۔ تقریباً پچاس ہزار صفحات اپنی قومی زبان اردو میں سپرد قلم کیے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شہرت کا زیادہ تر باعث اہل علم و فضل کے حالات ضبط تحریر میں لانا ہے۔ انھوں نے ابتدائی زمانے سے تیرہویں صدی ہجری تک کی تین ہزار شخصیات کے حالات لکھے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد اسحاق بھٹی کو علمائے اہل حدیث بالخصوص پاکستان کے تاریخی کارناموں کو اجاگر کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ ایسے سلفی علماء جن کی یادیں ذہنوں سے آہستہ آہستہ محو ہو رہی تھیں ان کے علمی، تبلیغی اور سیاسی حالات اپنی کتابوں میں لکھ کر انھیں زندہ جاوید کر دیا، ان کی اس خدمت سے یہ شخصیات تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ جزاہ اللہ خیرا لجزاء

بھٹی صاحب ۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب، ہند) میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد میاں محمد سے حاصل کی۔ ان کے بعد اللہ کی توفیق سے ایسے علماء کی صحبت نصیب ہوئی جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور بالخصوص مسلک اہل الحدیث کی تبلیغ و اشاعت میں مشہور زمانہ تھے، ان میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

①..... حافظ محمد گوندلوی (۱۳۱۵-۱۴۰۵ھ) انھوں نے تقریباً

اجداد غزنوی خاندان کا بھی یہی طرق کا تھا۔

بھٹی صاحب نے جن حضرات سے استفادہ کیا، ان میں ایک مولانا محمد حنیف ندوی (۱۹۸۷م) مصنف کتب کثیرہ ہیں۔ مولانا نے علوم قرآن اور اسلامی فلسفے کی کتابیں تصنیف کیں اور بعض کے ترجمے بھی کیے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی اپنی کتابوں میں ان مشاہیر کا ذکر نہایت عزت و احترام سے کرتے ہیں اور ان کے علم و فضل کا کماحقہ اعتراف کرتے ہیں۔ ہم فرزدق کی زبان سے کہہ سکتے ہیں:

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم  
إذا جمعنا یا جریر المجمع

### عملی زندگی:

مولانا محمد اسحاق بھٹی تقریباً ۱۹۴۱ء میں درسیات سے فارغ ہو گئے تھے۔ انھوں نے باقی ساری زندگی تصنیف و تالیف میں صرف کردی۔ مختلف رسائل و جرائد کے مدیر رہے، عملی زندگی کو درج ذیل دوائر میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

①..... تصنیف و تالیف: اس میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ بڑا پھیلا ہوا ہے۔ انھوں نے پچیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ان میں ایک کتاب فقہائے ہند ہے جو تین ہزار رجال کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ بعض کتابوں میں اہل حدیث کی دعوتی تاریخ اور علمی، تدریسی، تبلیغی، سیاسی اور جہادی میدانوں کی اہم شخصیات کے حالات زندگی مرتب کیے۔ مثلاً: برصغیر میں اہل حدیث کی آمد۔ کاروانِ سلف۔ نقوش عظمت رفتہ۔ بزمِ ارجمند اور غیرہ۔

②..... مقالات و مضامین: رسائل و جرائد میں بھٹی صاحب نے جو مقالات لکھے، ان کو شمار میں لانا ممکن نہیں۔ صرف اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں شائع ہونے والے مختلف مضامین پینتیس سے زیادہ ہیں۔

③..... رسائل و جرائد کی ادارت: ہفت روزہ الاعتصام کے پندرہ سال مدیر رہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں بتیس سال خدمت انجام دی۔ اس کے ترجمان المعارف کے بائیس سال مدیر رہے۔ ہفت

روزہ توحید لاہور کی ادارت بھی کی۔ اپنا اخبار سہ روزہ منہاج جاری کیا جو ایک سال آٹھ ماہ شائع ہونے کے بعد بند ہو گیا۔ قدر اللہ ماشاء فعل  
④..... بھٹی صاحب نے بے شمار کتابوں پر تبصرے کیے اور مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔

⑤..... اسی طرح انھوں نے لاتعداد ناشرین و مصنفین کی کتابوں پر مقدمات، تصدیقات اور پیش لفظ تحریر فرمائے۔

⑥..... بھٹی صاحب ۳۵ سال ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام پیش کرتے رہے، وہاں پوری جرأت کے ساتھ سلفی علماء کا تعارف کروایا۔ کیوں کہ اس زمانے میں اور اس ماحول میں سلفی علماء کے متعلق باتیں نامانوس معلوم ہوتی تھیں، مولانا بھٹی کی ایسی عادات میں بھی تبدیلی نہ آئی۔

بھٹی صاحب کے سارے کام یک جا کیے جائیں تو پچاس ہزار کے قریب صفحات کی ۱۰۰ جلدیں تیار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر طرح کے شرور سے حفاظت فرمائے۔ جزاۃ اللہ خیر اعن الاسلام والمسلمین

⑦..... ادارتی ذمہ داریاں: بھٹی صاحب رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے دفتر میں تقریباً ۱۹۶۵ء تک انچارج رہے، پھر ادارہ ثقافت اسلامیہ تشریف لے گئے۔ وہاں مضمون نگار، مؤلف، مترجم اور مدیر کی حیثیت سے بتیس سال تک ذمہ داریاں ادا کیں۔ اس کے علاوہ ہمیشہ حکومتی اداروں کی رکنیت اور عہدوں سے علیحدہ ہی رہے۔ کیوں کہ اس صورت میں تصنیف و تالیف کا کام نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی پیشکش ہوئی لیکن انھوں نے قبول نہ کی۔ اس لیے کہ اس میں خدمت تصنیف میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ حدیث میں منقول ہے کہ جس نے اللہ کے لیے کچھ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عنایت فرماتے ہیں۔

⑧..... جن احباب نے بھٹی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے انھیں خوب علم ہے کہ وہ صاحب طرز ادیب ہیں۔ تاریخی، علمی، تبلیغی اور سیاسی اعتبار سے ان کے پاس معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے جو بوقت تحریر کا غنڈ پر پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے اہل علم و فضل کی صحبت میں رہے، ان کے تجربات و مشاہدات سننے اور یاد

کرتے ہیں۔

○..... ان کی شخصیت پر متعدد مضامین لکھے جا چکے ہیں، جنہیں مرتب کر کے مولانا محمد رمضان سلفی صاحب فیصل آباد سے شائع کر رہے ہیں۔ نیز انھوں نے اپنی ایک خودنوشت بھی لکھنی شروع کی ہے جو ابھی تک نامکمل ہے۔

پنجاب یونیورسٹی سے ان پر ایم فل کا مقالہ بھی لکھا گیا ہے جو چھپ گیا ہے۔ ان کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں ”مورخ اہل حدیث“ کا لقب دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بھٹی صاحب کی زندگی کو باعث برکت بنائے اور صحت و عافیت کے ساتھ وہ ہم لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔

فجزاہ اللہ خیرا احسن الجزاء فی الدارين -

[بہ شکریہ، امتی، کویت۔ رجب ۱۴۲۹ھ]

\*\*\*.....\*\*\*

رکھے پھر انھیں منفرد اسلوب میں ضبط تحریر میں لائے۔ قابل ذکر یہ بات ہے کہ ان کی ہر تحریر میں ان کی خود اپنی زندگی کی جھلک بھی ملتی ہے اور ان میں واقعات و حادثات سے مفید سبق حاصل ہوتے ہیں۔

○..... قوتِ حافظہ بہت مضبوط ہے، افراد اور مقامات کے نام نیز اوقات کا تعین بھی یاد ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ میرے خیال میں یہ بات فلاں نے فلاں مقام پر اور فلاں وقت پر کہی تھی تو تحقیق سے وہی خبر درست ثابت ہوتی ہے۔

○..... اپنی رائے کا اظہار (جس کے متعلق وہ خود مطمئن ہیں) بڑی دلیری سے کرتے ہیں اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔

○..... منظر کشی کا خوب ملکہ رکھتے ہیں۔ دورانِ مطالعہ تحریر سے آدمی کبھی غم زدہ ہو جاتا ہے اور کبھی ہنسنے بھی لگتا ہے۔

ان خوبیوں کی وجہ سے کوئی شخص ان کی تحریر سے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

○..... پوری کشادہ ظرفی سے دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف

## ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور

نرخ نامہ اشتہارات فی اشاعت

④..... نصف صفحہ نیوز 750 روپے

⑤..... چوتھائی صفحہ نیوز 400 روپے

⑥..... عام چھوٹے اشتہارات 300 روپے

①..... آخری صفحہ ٹائٹل 2400 روپے

②..... اندرون صفحہ ٹائٹل 1800 روپے

③..... فل صفحہ نیوز 1400 روپے

✽..... ”الاعتصام“ میں اشتہار لگوائیں اور اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ ✽..... اشتہار خوش خط، مختصر اور معاوضہ ہمراہ ارسال کریں۔

✽..... مسلسل اشاعت (کم از کم 6 ماہ 20 فی صد خصوصی رعایت۔ ✽..... ”الاعتصام“ سے تعاون آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

رابطہ کے لیے: دفتر ہفت روزہ الاعتصام ۳۱ شیش محل روڈ، لاہور، فون: ۰۴۲-۷۳۵۴۲۰۶

# قبروں پر مزارات جائز نہیں

سید حسنین شاہ بخاری

تک قبروں کو آثار قدیمہ نہیں کیا، یہ ایک مخصوص گروہ کی سوچ ہے۔ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ یہ گروہ اقوام متحدہ سے اپیل بھی کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قبوں کو تعمیر کرایا جائے کیوں کہ یہ آثار قدیمہ ہیں، مسلمانوں کے جتنے فقہی مذاہب ہیں ان میں سے کسی نے آج تک اقوام متحدہ سے اس قسم کی اپیل نہیں کی کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جیسے مقدس شہروں میں مداخلت کرے، حقیقت میں یہ مطالبہ ان دو مقدسوں کی توہین ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نَذْفُهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾

[الحج: ۲۵]

”اور جو شخص مکہ مکرمہ میں الحاد کے ساتھ ظلم کا ارادہ کرے گا ہم

اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔“

ان مقدس شہروں میں قبوں کی تعمیر کا مطالبہ کرنا بھی الحاد ہے اور اقوام متحدہ کو مداخلت کی دعوت دینا بھی الحاد، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ پھر ایسا مطالبہ کرنا امت مسلمہ میں تفریق پیدا کرنے کے مترادف ہے، کیوں کہ تمام فقہی مذاہب اس پر متفق ہیں کہ قبریں کچی ہونی چاہئیں اور ان پر کوئی عمارت تعمیر کرنا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندو پاک میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث مکتبہ ہائے فکر کے علماء کی قبریں کچی ہیں اور ان پر گنبد تعمیر نہیں کیے گئے۔ گنبد صرف پیروں، مجذوبوں اور صوفیوں کی قبروں پر بنائے گئے ہیں، علماء کی قبروں پر عرس اور میلے نہیں لگتے بلکہ درباروں پر میلے منعقد ہوئے ہیں۔ پھر ان درباروں پر سجدے ہوتے ہیں۔ کھلے عام شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے، مردوں اور عورتوں کا مخلوط ہجوم ہوتا ہے۔ بھنگ، چرس اور نشیات کے اڈے بھی ان درباروں پر بنے ہوئے ہیں۔ جرائم پیشہ لوگ بھی وہاں

نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ آپ ﷺ کی چار بیٹیوں میں سے تین (۱) حضرت زینب (۲) حضرت رقیہ (۳) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ ﷺ کی زندگی میں ہوا۔ آپ ﷺ کے بیٹوں میں سے سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جن کی طرف آپ ﷺ کی کنیت (ابوالقاسم) ہے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت الطیب اور الطاہر جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لطن سے تھے مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے لطن سے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں انتقال فرما گئے۔

آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت آپ کی زندگی میں ہوئی، آپ کے چچا کے بیٹے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بدر میں شہید ہوئے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے ان سادات صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم و عنہن کی قبریں تیار کروائیں اور ان کی تدفین فرمائی، کیا ان میں سے کسی کی قبر پر نبی اکرم ﷺ نے کوئی عمارت یا مزار یا دیوار تعمیر کروائی؟ کتب احادیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا، اگر بزرگوں کی قبروں پر عمارت کھڑی نہیں کی تو آج آل بیت کی قبروں پر قبوں کی تعمیر کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے؟ ۸ سوال کو ایک گروہ یوم انہدام بقیع مناتا ہے، جو پاکستان کے مختلف شہروں میں جلوس نکال مطالبہ کرتا ہے کہ ان کی حفاظت کے لیے وہاں قبے تعمیر کیے جائیں۔

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ فوت شدگان کے لیے قبر تیار کرنا ایک شرعی مسئلہ ہے اور شریعت میں ہم مداخلت نہیں کر سکتے، بلکہ ہم دیکھیں گے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ جو ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہیں ان کی سنت کیا ہے؟ قرآن و سنت میں یا کتب فقہ میں کسی نے آج

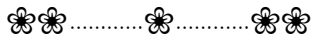
”قبر پر عمارت بنانا جائز نہیں، نہ اس پر بیٹھنا نہ اسے پختہ بنانا اور پلستر کرنا جائز ہے۔“

②.....امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں:

”عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: نہی رسول اللہ ﷺ ان یصلی علی قبر او یقعد علیہ او ینبی علیہ“  
[الاستبصار جلد: ۱، صفحہ: ۴۸۲، تہذیب الاحکام جلد: ۱، صفحہ: ۴۶۱]

”ابو عبد اللہ ؑ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ قبر پر نماز پڑھی جائے یا اس پر بیٹھا جائے یا اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔“

امت مسلمہ کو اختلاف سے بچانے اور اتحاد برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے اس پر متفق ہو جائیں کہ جس طرح بقیع الغرقہ اور مقبرہ المعلّٰۃ میں صحابہ کرام اور آل بیت کی قبریں بالکل سادہ ہیں، اسی طرح قبوں کو ختم کر کے قبروں کو سادہ بنایا جائے۔ بقیع الغرقہ میں تقریباً ۱۰ ہزار صحابہ کرام ؓ کی قبریں ہیں۔ اگر ہر قبر پر ایک قبہ بنانا جاتا تو بمشکل ایک ہزار قبریں تیار نہ ہو سکتیں جب کہ ۱۴ سو سال میں وہاں لاکھوں لوگ دفن ہوئے ہیں، کچھ قبریں ایک حکمت یہ بھی ہے۔ سعودی حکومت کا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی قبروں کو بدعات و خرافات سے محفوظ کرنا قابل تعریف کارنامہ ہے، دیگر حکومتوں کو بھی ان کی طرح درباروں اور مزاروں کو بدعات سے محفوظ کرنا چاہیے۔



### ضرورت رشتہ

اہل حدیث گھرانے کی لڑکیوں کے لیے اہل حدیث لڑکوں کا رشتہ مطلوب ہے۔ مکمل کوائف سے مطلع فرمائیں۔

ملک ابو عبد القہار اعوان، پوسٹ بکس ۵۴

جوہر آباد۔ خوشاب: 0333-6813820

آکر پناہ لیتے ہیں۔ اس طرح درباروں کو لوگوں نے برائیوں کے اڈے بنا رکھا ہے۔ اگر قبروں پر دربار نہ ہوتے تو نہ شرک کا ارتکاب ہوتا اور نہ جرائم، پاکستان اور دیگر ان تمام ممالک میں جہاں قبے اور دربار بنائے گئے ہیں انہیں فرمان رسول ﷺ کے مطابق گرا کر چکی اور سادہ قبروں میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور قوم بہت ساری شرکیات سے محفوظ ہو جائے گی۔

### اوچنی قبروں کو مسمار کرنے کا حکم:

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی ؑ کو قبہ مسمار کرنے کے لیے بھیجا اور ارشاد فرمایا:

ان لاتدع صورة الا طمستھا ولا قبرا مشرفا

الاسویثہ. [رواہ مسلم]

”اے علی ؑ (جی ؑ) جاؤ اور جو تصویر نظر آئے اس کو مٹا دو اور جو اوچنی قبر ہو اس کو زمین کے برابر کر دو۔“

حضرت علی ؑ سے محبت کرنے والوں کو اولین فرصت میں اس پر عمل کرنا چاہیے اور اوچنی اور پکی قبروں اور ان پر تعمیر شدہ قبوں کو گرا دینا چاہیے۔

ائمہ اربعہ اور دیگر بہت سارے فقہائے اور محدثین کے اقوال موجود ہیں کہ قبروں پر تعمیر کردہ عمارت کو گرا کر افروز ہے، بلکہ یہ وہ مسئلہ ہے جس پر علماء امت کا اجماع ہے ماسوائے صوفیوں اور مجذوبوں کے کسی نے اس کا ارتکاب نہیں کیا۔ اگر ائمہ دین کے اقوال ذکر کیے جائیں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ ہم اہل بیت کی مشہور شخصیات کے دو حوالے پیش کرتے ہیں تاکہ آل بیت سے محبت کرنے والوں کو راہنمائی حاصل ہو۔

①.....امام موسیٰ کاظم ؑ فرماتے ہیں:

”لا یصلح البناء علیہ ولا الجلوس ولا تجصیصہ

ولا تطینہ“ [الاستبصار جلد: ۱، صفحہ: ۲۱۷، تہذیب

الاحکام جلد: ۱، صفحہ: ۴۶۱]

# قربانی کے چار دن

حافظ زبیر علی زئی

ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے جلد نمبر ۶۱ شمارہ ۴۷، ۲۷ نومبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء میں جناب ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد شریف شاہ صاحب کے قلم سے بعنوان ”قربانی کے چار دن“ شائع ہوا۔ یہ مضمون ہفت روزہ ”اہل حدیث“ میں بھی شائع ہوا تھا۔ جس کے رد عمل میں جناب حافظ زبیر علی زئی صاحب نے ایک مضمون ادارہ ہذا کو بھیجا جو شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ الاعتصام)

باہر تھے جو یہ فرماتے تھے کہ قربانی والے دن کے بعد دو دن قربانی ہے۔

[موطامام مالک ج: ۲، ص: ۴۸۷، سندہ صحیح]

(۳)..... ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

”قواعد صحیح کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرفوع ہوتی ہے نہ کہ راجح، تو موصوف صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دے رہے ہیں؟“

مزعومہ و مبینہ قواعد حدیث میں نظر کے علاوہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ (دھو حسن) اگر اس کے مقابلہ میں آپ کے پاس کوئی صحیح سند ہے تو وہ پیش کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو حسن پیش کریں اور اگر کوئی متصل سند ہے ہی نہیں تو پھر حسن سے نا معلوم صحیح کو ٹکرا نا غلط ہے۔

(۴)..... پروفیسر صاحب نے علامہ قرطبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار دن ہیں۔ [ص: ۲۰ ملخصاً بعنوان: ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول]

عرض ہے کہ یہ دوسرا قول بے سند ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے، لہذا معارضہ کیا؟ صحیح سند کے مقابلہ میں بے سند قول پیش کرنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟

(۵)..... ڈاکٹر صاحب نے شوکانی یمنی کے حوالے سے لکھا ہے:

”عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایام معدودات چار دن

ہیں۔“ [ص: ۲۰]

اس مضمون کے سلسلے میں چند معروضات درج ذیل ہیں:

①..... ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

”ایام قربانی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے

قابل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی مذہب.....“ [ص: ۱۷]

مودبانہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات کس کتاب میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ مذکور ہے؟ حوالہ پیش کریں!

حافظ ابن قیم اور علامہ نووی کے اقوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک اپنے اقوال منقولہ کی کوئی صحیح متصل یا حسن متصل سند پیش نہیں کی اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے حافظ ابن قیم اور علامہ نووی کے سند حوالوں کی بنیاد پر یہ بات بھی لکھ دی ہے کہ ”موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تین دن قربانی والا قول نقل کر دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چار دن والا درج ذیل قول کیوں کرمفقو و نظر رہا؟“ [ص: ۱۹]

عرض ہے کہ مفقود کی بات تو بعد میں ہوگی، پہلے آپ اس قول کی صحیح یا حسن پیش تو فرمادیں!

②..... پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

”..... اور آثار میں اختلاف ہے تو موصوف کو اہل حدیث کے

متفق علیہ مسلک“ [ص: ۱۷]

عرض ہے کہ کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اہلحدیث کے مسلک سے



ہیں۔“ (الحديث: ۲۴ ص: ۱۱) کے خود جناب ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب بھی قائل نہیں بلکہ چار دن کی قربانی کے قائل ہیں، دوسرے یہ کہ یہ اثر مذکورہ بالا جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

⑤..... پروفیسر صاحب نے لکھا ہے: ”حافظ زبیر علی زئی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ”قربانی کے تین دن ہیں“ اور اپنے اس دعویٰ پر انہوں نے پہلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ

”نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا۔“ [ص: ۱۷]

عرض ہے کہ یہ میری پہلی دلیل نہیں بلکہ ذیلی اور تائیدی دلیل ہے، کیوں کہ پہلی دلیل تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کے آثار ہیں اور یہ میرے دعوے کے بالکل مطابق ہے۔  
پروفیسر صاحب کا ذیلی دلیل کو پہلی دلیل قرار دے کر میری طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

وما علينا الا البلاغ

❀.....❀.....❀

عرض ہے کہ یہ بے سند قول احکام القرآن للطحاوی: (۲/ ۲۰۵، ج: ۱۵۷۱، وسند حسن) کی اس روایت کے مقابلے میں مردود ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”قربانی کے دن بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔“ [دیکھئے الحديث حضور: ۲۴ ص: ۲۰]

⑥..... بے سند اقوال والے اس مضمون کے آخر میں پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

”یہ موصوف ہی بتا سکتے ہیں کہ جمہور صحابہ میں کون کون سے صحابہ کرام شامل ہیں؟“ [ص: ۲۰]

عرض ہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر) کے اثر کے مقابلے میں اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آثار جمہور صحابہ کے آثار نہیں ہیں تو پھر جمہور سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا اثر:

”پھر عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے

## دارالحدیث اوکاڑا میں داخلہ کا سنہری موقع

الحمد للہ دارالحدیث اوکاڑا قدیم دینی تعلیمی ادارہ ہے۔ علوم دینیہ کے ساتھ عصری علوم مڈل میٹرک ایف اے تک تعلیم کے لیے قابل ترین استاذ مولانا محمد حسن بی اے، بی ایڈ ایم اے اسلامیات مصروف تعلیم ہیں۔ تین طلباء کا نويس کلاس کا داخلہ بھیج دیا گیا ہے۔

شعبہ حفظ میں فاضل سببہ عشرہ قاری سیف اللہ فاروق حفظ کروا رہے ہیں۔ بخاری شریف کا درس شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی دے رہے ہیں۔ بخاری پڑھنے والے طلباء کو نقد دو۔ دوسو روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ طلباء کی رہائش خوراک سمیت جملہ سہولیات بذمہ مدرسہ ہیں۔ آپ اپنے بچوں کو جلد داخل کروائیں۔ تمام کلاسوں میں داخلہ ہو سکے گا۔ والد یا سرپرست کا ساتھ آنا لازمی ہے۔

الراعی الی الخیر: عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ اوکاڑا

فون: 0312-4403173 - 044-2521460

18 تا 24 دسمبر 2009ء..... (1759)..... یکم محرم الحرام 1431ھ

## پھول اور موم بتیاں..... اب یہی زادِ راہ ہے

اور یا مقبول جان

جاتا ہے۔ ان آٹھ دنوں میں یہودی مسلسل موم بتیاں روشن کرتے ہیں۔ موم بتیاں جلانا ان کے لیے ان تہواروں تک محدود نہیں بلکہ مرنے والے کی موت کی سالگرہ کے دن Yahrzeit موم بتی روشن کی جاتی ہے۔ جنگ عظیم دوم میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کے قتل کی یاد میں یوم نشوا Yom Nashoah منایا جاتا ہے اور ہر گھر، عبادت گاہ اور یہودی عمارت پر موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔

یہودیوں کی یہی روایت جو انہوں نے اپنے دین میں خود ایجاد کی تھی عیسائیت میں بھی در آئی جس کا کوئی ماخذ انجیل میں تھا اور نہ ہی ان کی قدیم روایات میں۔ یہ اس قدر عام ہوئی کہ مشرقی آرتھوڈکس چرچ کی عبادتوں کے دوران پورے کا پورا مجمع ہاتھ میں موم بتیاں پکڑے کھڑا ہوتا۔ قربان گاہوں پر خاص طور پر موم بتیاں روشن کی جاتیں۔ مشرقی کیتھولک، اورینٹل کیتھولک بلکہ رومن کیتھولک سب کے سب موم بتی کو مسیح کی روشنی سے تعبیر کرنے لگے۔ بلکہ خاص ہدایات دی گئیں کہ چرچ میں جلانے جانے والی موم بتیوں میں کم سے کم 51 فی صد موم شہد کی مکھبوں کے چھتے سے حاصل کیا جائے۔ پاشل Paschal موم بتی خاص طور پر مسیح کے ایسٹر کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی علامت بنا دی گئی اور اسے اسی دن جلایا جاتا ہے۔

موم بتیاں جلانے کی اس یہودی روایت کو یوں ترویج دیا گیا کہ کہیں یہ امن کی علامت کے طور پر جلائی گئیں تو کہیں خوشی کے طور پر۔ لیکن مرنے والوں کی یاد میں اسے عالمی پذیرائی گیارہ ستمبر میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں مرنے والوں کی یادگار پر موم بتیاں جلانے سے ملی۔ پورے امریکا میں لوگوں نے ایسا کیا اور پھر دنیا بھر میں اس کے حامیوں نے کم اور اس کے غلاموں نے زیادہ اسے اپنی روزمرہ زندگی

اے عورت! تم سے ایک جرم سرزد ہوا تھا جس کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکلنا پڑا۔ تم سانپ کی دلکشی پر فریفتہ ہو گئیں اور اس کے بہکاوے میں آ گئیں اور پھر تو نے ہمارے باپ آدم کو بھی اُس میں شریک کر لیا۔ یوں تمہاری وجہ سے اس زمین بلکہ ہماری زندگیوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اسی لیے اب تمہیں موم بتیاں روشن کر کے دنیا میں روشنی کو واپس لانا ہوگا۔

یہ ہے وہ عقیدہ جس کی بنیاد پر دنیا میں یہودیوں نے سب سے پہلے مٹ زاوہ (Mitzawah) کے تہوار کے نام پر موم بتیاں روشن کرنا شروع کیں۔ اس موم بتی کو روشن کرنے اور عورت کی غلطی کی تلافی وہ یوم سبت یعنی مشہور ہفتے کے دن کے تہوار کے طور پر کرتے ہیں اور اس کا ماخذ اپنی کتاب تالمود کے 31 ب پیرے سے لیتے ہیں۔ یہ موم بتیاں جمعہ کی شام یعنی ہفتے کی رات کو روشن کی جاتی ہیں۔

عورتیں دو موم بتیاں جلاتی ہیں ایک توریت کے باب (Exodus 8:20) کے مطابق جب یہودیوں کو اپنے وطن سے در بدر کیا گیا تھا اور دوسرا توریت کے پانچویں کتاب Deuteronomy کے فقرہ 5:12 کے مطابق جس میں یوم سبت کے منانے کے بارے میں کہا گیا ہے۔ عورتیں موم بتیاں جلا کر اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے ڈھانک لیتی ہیں پھر شکر ادا کرتی ہیں کہ خدا نے ہمیں مقدس بنایا اور ہمیں سبت کی شمعیں جلانے کا حکم دیا۔

یہودیوں کا ایک اور تہوار Hanukah ہے جو یہودی مہینے کزلیو Kislev کی 25 تاریخ کو آٹھ دن کے لیے منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار 165 قبل مسیح میں یہودیوں کی یونانی اور شامی فوجوں پر فتح کے جشن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اسے Chanuha یعنی روشنیوں کا تہوار بھی کہا



میں داخل کر لیا۔

پھولوں کے گلدستے، یا قبر پر ڈالی جانے والی Wreath جو ایک گول دائرے میں سجائے گئے پھولوں کو کہتے ہیں جسے ہماری صحافی ترجمے میں پھولوں کی چادر لکھتے ہیں۔ دراصل یونانی دیوتاؤں کے گلے کے ہار کے طور پر تقدس کا درجہ رکھتی تھی جسے اولمپک میں جیتنے والوں کے گلے میں پہنایا جاتا تھا۔ ایسی ہی ایک چادر یا پھولوں کی مالا مرنے والوں کے دن کے طور پر براعظم امریکا میں صدیوں سے قبروں پر چڑھائی جاتی رہی۔ بلکہ میکسیکو اور برازیل کے لوگ اسے بدروحوں کو بھگانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ لیکن جب عیسائیت وہاں آئی تو انہوں نے اس Wreath یا مالا کو اپنے لیے خاص کر لیا اور نومبر کی یکم اور دو تاریخ کو آل سینٹ ڈے منایا جانے لگا۔ جہاں ایک تیج سجائی جاتی جس کے درمیان میں یہ گول والی پھولوں کی چادر ہوتی اور ساتھ پھولوں کے گلدستے سجا دیئے جاتے۔

کیٹھولک روایات میں پھولوں کی یہ گول چادر یا حلقہ پانچ موم بتیوں کے ساتھ روشن کیا جاتا ہے۔ ہندو اسی طرح کی پھولوں کی مالا کو وشنو کے گلے کا ہار سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں دیئے جلانا اور پھول بہانا ایک مذہبی عبادت ہے۔ آپ بنارس میں رات کو گنگا کے کنارے جانگلیں تو ہر مندر کے سامنے دیپ پوجا ہو رہی ہوتی ہے اور پھر شبد گاکر گنگا کو میٹھی نیند سلایا جاتا ہے اور دیئے گنگا میں بہا دیئے جاتے ہیں۔ صدیاں بیت گئیں، آج کے جدید ترین زمانے میں بھی انہوں نے اپنے دیئے کو موم بتی سے تبدیل نہیں کیا۔ البتہ پھولوں کے Wreath اور گلدستے ان کے مہذب کلچر کا حصہ بن گئے۔ لیکن ان گلدستوں اور پھولوں کی چادروں کو عروج اس وقت ملا جب لیڈی ڈیانا کی موت کے بعد بکنگھم پیلس کے سامنے گلدستوں اور ایسی گول چادروں کا ڈھیر لگا دیا گیا کہ یہ سب تو ان کی عیسائی روایات کا حصہ تھا۔

شاید کچھ عرصے کے بعد ہم بھول جائیں کہ ہم اپنے مرنے والوں کو دعاؤں، قرآن کی تلاوت اور تسبیح و تحلیل سے یاد کیا کرتے تھے۔ ہم پر عذاب مسلط ہوتے، مشکل کی گھڑی آتی تو ہماری بڑی

بوڑھیاں چاندنیاں بچھا کر کھٹلیوں پر آیت کریمہ کا ورد کرنے لگتیں۔ مرد مسجدوں کا رخ کرتے۔ جس کے ذہن میں اپنے اللہ کو پکارنے کے لیے جو لفظ بھی یاد ہوتا پورے درد اور التجا کے ساتھ ادا کرنے لگتا۔ کوئی بلاؤں کو ٹالنے کے لیے قنوت نازلہ پڑھتا۔ اپنے پیاروں، اس دنیا سے جانے والوں کے لیے ہم دعاؤں کے پھول بھیجتے اور ان کی آئندہ زندگیوں کے لیے قرآن کی تلاوت کی شمعیں ان کے ساتھ کرتے جو انہیں قبر کے اندھیروں میں روشنی پہنچاتیں۔ یہ ان کا زادِ راہ تھا اور نجات کا وسیلہ۔ بلائیں دور کرنے، عذاب ٹالنے اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے ہمارے دن رات استغفار میں گزرتے۔ ہمیں امن کی بھیک مانگنے کے لیے کسی عالم یا مفتی کے فتوے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ ہم تو اس واحد و رحیم سے طلب کرتے جو کہتا ہے کہ خوف میں تو امن صرف میں دیتا ہوں۔

لیکن کیا کریں ہمارے دعوے ہی ختم نہیں ہوتے۔ کوئی جنگ جیتنے کے دعوے کرتا ہے تو کوئی دس گھنٹے میں اس عذاب پر قابو پانے کی۔ لیکن قرآن کے صفحات میں دعوے کرنے والوں کے حشر کی داستانیں اگر ایمان اور یقین سے پڑھ لی جائیں تو ہمارے سرجدوں سے نہ اٹھیں۔ ہم استغفار کی زبان اور تر آنسوؤں سے صرف اسی اللہ سے پناہ مانگنے لگ جائیں۔ امن طلب کریں لیکن وہ جو صاحبِ حال ہیں جو گزشتہ چار سال سے اس قوم کو خبردار کر رہے تھے کہ اپنے اللہ کو آنسوؤں اور معافیوں کی درخواست سے منالو وہ سب کے سب اب خوفزدہ ہیں، سہمے ہوئے ہیں۔ ان کی نظریں جس آنے والے منظر کو دیکھ رہی ہیں اس میں بہت خسارہ ہے۔ یہ خسارہ صرف استغفار سے ٹل سکتا ہے۔ لیکن شاید ہم نے اللہ کو اس دلیس سے خیر باد کہہ دیا۔ ہمارا خدا تو کیمرہ ہے جس کے سامنے موم بتیاں روشن کی جائیں، پھولوں کے گلدستے رکھے جائیں اور مرنے والوں کی یاد میں تبصرے کر کے یا تبصرے سن کر چین کی نیند سوایا جائے۔ ہم اپنے مرنے والوں کو اب یہی زادِ راہ دیتے ہیں کہ شاید انہیں اب دعاؤں کی حاجت نہیں۔



# تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دوسنوں کا آنا ضروری ہے

تقدیر..... کتاب وسنت کی روشنی میں

مصنف: محمد فتح اللہ گولن

مترجم: محمد خالد سیف

شائع کردہ: ہارمونی پبلی کیشنز، اسلام آباد

سال اشاعت: ۲۰۰۹ء

صفحات: ۱۶۲

قیمت: درج نہیں

تبصرہ نگار: ڈاکٹر تاج الدین الازہری، کلیۃ الدراسات

الاسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تقدیر پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ دیگر ارکان کے بغیر تقدیر پر ایمان کا تصور ممکن نہیں اور تقدیر کے بغیر باقی چیزوں پر ایمان کو مکمل نہیں کہا جاسکتا۔

موجودہ دور میں مادی فلسفہ پوری دنیا میں بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور وہ عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر تنقید کو پروان چڑھانے میں بھی مصروف عمل ہے۔ تو ایسے مادہ پرستوں نے محسوس کیا کہ تقدیر لوگوں کو خوش کرنے والے مسائل میں سے ہے۔ اس لیے انہوں نے پوری قوت کے ساتھ ان مسائل کو بیان کرنا شروع کر دیا، جب کہ مسلمان ان مسائل میں غور و خوض کرنے میں حرج محسوس کرتے تھے۔

زیر نظر کتاب ”تقدیر کتاب وسنت کی روشنی میں“ ایسے ہی مادہ

پرست افراد کے لیے ایک تحفہ ہے، جس میں جناب فتح اللہ گولن نے مسئلہ تقدیر کو کتاب وسنت کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور بڑی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے، ہر فصل کے تحت ذیلی عنوانات ہیں۔ فصل اول میں تقدیر کا مختلف جہتوں سے جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے اہم ذیلی عنوانات یہ ہیں۔ تقدیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی، مسئلہ تقدیر وجدانی ہے، تقدیر اور جزوی ارادہ میں تضاد نہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور انسان کا ارادہ، تقدیر آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کی روشنی میں۔

فصل دوم میں قضا کا تقدیر سے تعلق بیان کیا ہے اور اس کے اہم ذیلی عنوانات یہ ہیں:

قضا و قدر علم کی الہی کی حیثیت سے، قضا و قدر تحریر کی حیثیت سے، قضا و قدر مشیت الہی کی حیثیت سے اور قضا و قدر بحیثیت مخلوق۔ فصل سوم میں تقدیر، ارادہ اور ہدایت کا آپس میں تعلق بیان کیا ہے۔ چوتھی فصل میں تقدیر سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں، جن میں اہم یہ ہیں۔ ارادہ کے جزئیات، کلیات، مشیت الہی اور انسان کی آزادی، کلی اور جزوی ارادے کی ماہیت وغیرہ۔

\*\*\*\*\*

دعائے مغفرت

مولانا محمد یسین شاد (ملتان) کے بہنوئی محمد منشاء صاحب ۸ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز منگل وفات پا گئے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ [پس ماندگان]

## دہشت گرد کون؟

جس دیں کا محافظ خود اللہ ہے کافر کیسے اُس کو مٹائیں گے  
 وہ عداوت کی آگ میں جل کر خود اپنی موت مرجائیں گے  
 یہ یہود و نصاریٰ سکھ اور لالے اُڑلی دشمن اسلام کے ہیں  
 ان کے دعوے امن و آشتی کے جھوٹ پہ مبنی نام کے ہیں  
 یہ اسلام سے اتنے خائف ہیں تنہا لڑنے سے گھبراتے ہیں  
 سب متحد ہو کر لڑتے ہیں ، پھر بھی منہ کی کھاتے ہیں  
 اسلام امن و آشتی کا دین ہے دہشت گردی یہ سکھاتا نہیں  
 درس ایثار و محبت کا دیتا ہے ، اپنی حدود سے باہر جاتا نہیں  
 خود دہشت گرد ہیں بزدل کافر ، الزام اسلام پہ دھرتے ہیں  
 یہ خود کش بمبار ہیں ان کے ، حرام موت سب مرتے ہیں  
 نائن ایلون کا واقعہ بھی یہودی لابی کی کارستانی تھی  
 اسلام کو ملوث کرنے کی خود ساختہ اک کہانی تھی  
 عراق کی پر شکوہ وادی میں بھلا کس نے بم گرائے ہیں  
 فلسطین کے آباد گھرانوں پر ، کس نے ٹینک چڑھائے ہیں  
 افغانستان میں نیٹو فوجیں ڈیرہ جمائے بیٹھی ہیں  
 کشمیر کی حسیں وادی میں انڈین فوجیں گھات لگائے بیٹھی ہیں  
 ارض پاک کے قبائلی علاقے ان کی جارحیت سے محفوظ نہیں  
 ان کی معاندانہ پالیسیوں سے کوئی بھی مسلمان محفوظ نہیں  
 یہ ان کی دہشت گردی کی واضح سب مثالیں ہیں  
 اسلام دشمنی اور تعصب کی سب کافرانہ چالیں ہیں  
 کبھی چابلیاں کرتے ہیں کبھی دھمکیاں ڈرون حملوں کی  
 ہمیں خوف نہیں ان کی دھمکیوں کا یہ بھول ہے ان کملوں کی  
 میں پوچھتا ہوں ان نادانوں سے کیا اسلام کا اب تک بگاڑا ہے؟  
 سوائے خجالت کے تمہیں ملا کیا ہے؟ کیا اپنا ہی تم نے کباڑا ہے  
 دین اسلام کو مٹانے کے لیے ، جو بھی آگے قدم بڑھائے گا  
 ہم ٹانگیں اُس کی توڑیں گے ، وہ بچ کر کبھی نہ جائے گا (ان شاء اللہ)  
 یہ سازشی سب ٹولے ہیں ، سازشوں سے باز نہ آئیں گے  
 جب تک مسلمان مقابل آکر آنکھیں نہ ان کو دکھائیں گے

[محمد اسحاق عابر، ملتان]